رجب المرجب ۱۴۳۶ھ
مئی ۲۰۱۵ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

شرعی اَحکام کی اَقسام

(فرائضِ دینی کا جامع تصوّر)

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ

داعی رجوع الی القرآن بانی تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول: سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(نواں ایڈیشن) ــــــــ صفحات: 360، قیمت 475 روپے

حصہ دوم: سورۂ آلِ عمران تا سورۃ المائدہ
(چھٹا ایڈیشن) ــــــــ صفحات 321، قیمت 425 روپے

حصہ سوم: سورۃ الانعام تا سورۃ التوبہ
(پانچواں ایڈیشن) ــــــــ صفحات 331، قیمت 425 روپے

حصہ چہارم: سورۂ یُونس تا سورۃ الکہف
(چوتھا ایڈیشن) ــــــــ صفحات 394، قیمت 475 روپے

حصہ پنجم: سُورۂ مریم تا سُورۃُ السّجدۃ
(تیسرا ایڈیشن) ــــــــ صفحات 480، قیمت 575 روپے

حصہ ششم: سُورۃُ الاحزاب تا سُورۃُ الحجرات
(دوسرا ایڈیشن) ــــــــ صفحات 484، قیمت 590 روپے

ملنے کے پتے

انجمن خُدام القرآن خیبر پختونخوا، پشاور
A-18، ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: (091)2584824,2214495

مکتبہ خُدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون (042)35869501-3

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

جلد : 64

شمارہ : 5

رجب المرجب 1436ھ

مئی 2015ء

فی شمارہ 30/-

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

اندرون ملک	300 روپے
بھارت وبنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ	1200روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ	1500روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org

ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

فون: 36366638 - 36316638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال 5

تنازعہ یمن اور پاکستان کا رول — ایوب بیگ مرزا

بیانُ القُرآن 11

سورۃ طٰہٰ (آیات ۹۹ تا ۱۳۵) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعۂ حدیث 25

شرعی احکام کی اقسام — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

یادِ دلبر 49

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے ساتھ میری رفاقت کا سفر — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

دعوتِ دین 57

دینِ اسلام بطور اصلاحی انقلاب — مسز بینا حسین خالدی

فکرونظر 63

اسلامی اخلاقیات — فرید بن مسعود

توضیح و تنقیح 72

ریاست پر کسی مذہب کا حق نہ ہونا! — حامد کمال الدین

تفہیم دین 79

زمانے کی گواہی: سورۃ العصر کی روشنی میں — حافظ محمد مشتاق ربانی

نقطۂ نظر 83

ساس سسر کی خدمت اور بہو کا کردار — عبداللہ العزیز الغفور

خطوط ونکات 91

وادیٔ کشمیر میں داعیٔ قرآن کی محبوبیت اور مقبولیت — ڈاکٹر جوہر قدوسی

بحث و نظر 92

ذوالقرنین، سدِّ ذُوالقرنین اور یاجوج ماجوج (۸) — شاہین عطر جنجوعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تنازعۂ یمن اور پاکستان کا رول

یمن مختلف قبائل کا مسکن ہے اور قبائلیوں کا باہم لڑائی جھگڑا تاریخ کا حصہ ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جنگ و جدال اُن کی سرشت میں ہے۔ موجودہ جنگ قبائلی لڑائی ہونے کے ساتھ علاقائی اور اندرونِ ملک موجود قوتوں کی حصولِ اقتدار کی جنگ ہے۔ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس پر کچھ نہ کچھ فرقہ واریت کا رنگ بھی چڑھ گیا ہے۔ مختصراً یہ کہ یہ خالصتاً اندرونِ یمن مختلف قوتوں کی حصولِ اقتدار کے لیے جنگ ہے' جس کے لیے علاقے' قبیلے اور فرقہ کی بنیاد پر حمایت حاصل کی جا رہی ہے۔ پہلے یہ کہہ کر رائی کا پہاڑ بنایا گیا کہ یمن میں سعودی عرب اور ایران میں پراکسی جنگ ہو رہی ہے۔ اگر ایسا ہے بھی تو کیا یہ دنیا میں پیش آنے والا کوئی منفرد واقعہ ہے؟ کیا بھارت نے سری لنکا میں دہشت گردی کی آگ نہیں بھڑکائی تھی' جسے سری لنکا ایک طویل مدت تک سرد کرنے کی کوشش کرتا رہا؟ پھر پاکستان سری لنکا کی مدد کو آگے بڑھا اور بالآخر پاکستان کی مدد سے یہ آگ سرد ہو گئی۔ کیا پاکستان اور بھارت نیپال میں زور آزمائی نہیں کرتے رہتے' جہاں اکثر بھارت کا پلّہ بھاری رہتا ہے؟ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کسی ملک کے اندر اقتدار حاصل کرنے کے لیے تحریک چلانا اور ہتھیار اٹھا لینا بھی کوئی انوکھی' نرالی یا انہونی بات نہیں۔ اور ہمسایوں کا اعلانیہ یا خفیہ طور پر کسی ایک یا دوسرے فریق کا ساتھ دینا بھی ہم دیکھتے آ رہے ہیں' لیکن یمن میں مختلف اندرونی قوتوں کا حصولِ اقتدار کے لیے جھگڑا اور ہمسایہ ممالک کا بعض دھڑوں کی پشت پناہی کو خالصتاً شیعہ سنی جنگ بنانا' اسے خطے کی جنگ بنانا' اسے عرب و عجم کی جنگ قرار دے دینا' یہ عالمی سطح کے ماہر سیاسی و عسکری شعبدہ بازوں کی مہارت اور فن کاری ہے۔ یہ یہودیوں کی ملکیت میں رواں دواں عالمی میڈیا کا کمال ہے۔ یہ عالمی سطح پر کام کرنے والی اُس لابی کا کرشمہ ہے جو گلوبل سطح پر ایک حکومت قائم کرنے کا ایک نکاتی ایجنڈا رکھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں نے امریکی جن کو نکیل ڈالی ہوئی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ الٰہ دین کا چراغ اس وقت یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔ اِسے رگڑتے ہیں اور امریکی جن کو احکامات دیتے ہیں۔ ماضی بعید کی بات چھوڑتے ہیں۔ پون صدی پہلے سپر پاور بننے کے بعد امریکہ نے اس دنیا کے امن و امان کو کس طرح تباہ و برباد کیا' یمن کی جنگ کو اس تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ امریکہ اور امریکہ کے کندھوں

پر سوار یہودیوں کا اصل ہدف کیا اور کون ہے؟

تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ جنگ عظیم اوّل اور دوم دونوں یہودیوں کی سازش کا نتیجہ تھیں۔ اصل میں جس فرنگ کی جان پنجہ یہود میں تھی اُس فرنگ کا کمال اب رو بہ زوال تھا اور یہودی کی تاریخ یہ ہے کہ وہ کبھی زوال پذیر قوم کا ساتھی نہیں بنتا۔ اس زوال کو سونگھتے ہوئے یہودیوں نے عالمی قوت کا مرکز لندن سے واشنگٹن منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ لہٰذا عالمی جنگیں کروائیں کیونکہ مطلوبہ منتقلی کے لیے بحیثیتِ مجموعی یورپ کی مزاحمتی قوت کو کمزور کرنے کی ضرورت تھی۔ ہٹلر یہودی سازش کو سمجھ چکا تھا۔ حتمی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس حقیقت کا انکشاف اُس پر کس موقع پر ہوا' بہرحال اُس نے یہودیوں کے خلاف جوابی کارروائی کی جس کا واویلا یہودی آج تک دنیا بھر میں کرتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں' ہٹلر نے مرنے سے پہلے دو اہم انکشاف کیے تھے۔ اُس نے کہا کہ میں نے بہت سے یہودیوں کو مارا ہے لیکن کچھ کو اِس لیے چھوڑ دیا تاکہ آنے والی دنیا جان سکے کہ یہودیوں کو مارنا انسانیت کی فلاح کے لیے کیوں ضروری ہے۔ دوسری بات اُس نے یہ کی کہ میرا جرمن تباہ ہو گیا لیکن میں اپنے مخالفین کے لیے ایک ایسا دشمن چھوڑ کر جا رہا ہوں جو اُن کے لیے مجھ سے زیادہ سخت اور بڑا دشمن ثابت ہو گا۔ ہٹلر کی مراد سوویت یونین تھا۔ یہودیوں کی اس سازش کو انگریز بھی جان گیا تھا' لیکن اُس نے حالات سے سمجھوتہ کرنے اور surrender کرنے میں عافیت سمجھی اور یہودی کے بنائے ہوئے قوت کے نئے عالمی مرکز یعنی امریکہ سے خود کو نتھی کر لیا اور آج تک وہ عالمی معاملات میں امریکہ کا دُم چھلا بنا ہوا ہے۔ بہرحال امریکہ نے ہٹلر کی کہی ہوئی دوسری بات یعنی سوویت یونین سے مقابلے کو سنجیدگی سے لیا۔ پھر یہ کہ امریکہ اصلاً اپنے سرمایہ دارانہ نظام کا تحفظ چاہتا تھا اور سوویت یونین کا نظام اشتراکیت کم از کم آغاز میں سرمایہ دار کا ردّ اور مزدور کی پشت پناہی کا مظہر دکھائی دیتا تھا۔ چنانچہ امریکہ نے سوویت یونین کے خلاف مہم کا آغاز کیا۔ سوویت یونین کیونکہ ملحدانہ نظام کا علمبردار تھا لہٰذا امریکہ نے دنیا بھر میں مذہب کی دہائی دی۔ خاص طور پر مسلمانوں کو پکار لگائی۔ اُدھر سوویت یونین افغانستان میں فوجی مداخلت کی حماقت کا ارتکاب کر بیٹھا تو امریکہ کو جہاد اور قتال یاد آ گیا۔

قارئین اچھی طرح جانتے ہیں کہ پھر سوویت یونین کس حشر سے دوچار ہوا۔ اب امریکہ سپریم پاور آف دی ورلڈ تھا۔ اب نیو ورلڈ آرڈر کی باتیں سنائی دینے لگیں' لیکن امریکہ جانتا تھا کہ مسلمان اگرچہ منتشر ہیں اور سیاسی و عسکری لحاظ سے انتہائی کمزور ہیں' لیکن ان کے پاس ایک منصفانہ نظام ہے۔ ایسا نظام جو ہر قسم کے استحصال سے پاک ہے۔ لہٰذا آج نہیں تو کل سرمایہ دارانہ نظام جو بدترین ظالمانہ استحصالی نظام ہے' وہ کسی وقت بھی اسلام کے عادلانہ نظام سے شکست کھا

سکتا ہے‘ چنانچہ حاملین نظام کو ہی نیست و نابود کر دو۔ اپنے اسی فریضہ کی انجام دہی کے لیے امریکہ اور اُس کے کندھوں پر سوار یہودی مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ ایران اور عراق کے درمیان جنگ‘ عراق اور کویت کی جنگ اور یمن کی خانہ جنگی میں سعودی عرب اور ایران کا آمنے سامنے آنا اس منصوبہ بندی کا حصہ ہے کہ پہلے مسلمانوں کو آپس میں لڑاؤ تاکہ جب امریکہ بچے کھچے مسلمانوں کا صفایا کرے تو اس کا مالی و جانی نقصان کم سے کم ہو۔ اس منصوبہ کی ایک اور سمت بھی ہے۔ وہ یہ کہ امریکہ سوویت یونین کو ٹھکانے لگاتے ہوئے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی مانیٹرنگ صحیح طرح نہ کر سکا۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ اگر وہ اُس وقت پاکستان سے محاذ آرائی کرتا تو سوویت یونین کی سپر یمیسی ختم کرنے کے پروگرام میں خلل آ سکتا تھا۔ لہٰذا پاکستان نے وہ ریڈ لائن کراس کر لی اور ایٹمی قوت بن گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان یعنی ایک ایٹمی ملک کو کھلی جارحیت کا نشانہ بنانا اتنا آسان نہیں۔ وہ تباہ ہوتے ہوئے بھارت اور اسرائیل کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ چنانچہ پاکستان میں سیاسی عدم استحکام‘ دہشت گردی اور معاشی بحران پیدا کیا گیا۔ ان سب اقدامات سے پاکستان سیاسی اور معاشی لحاظ سے کمزور سے کمزور تر تو ہوا‘ لیکن اُسے ایٹمی قوت سے محروم نہ کیا جا سکا۔

اب یمن کے اندرونی خلفشار کو شیعہ سنی جنگ کا رنگ دے کر عالمِ اسلام میں ہر جگہ شیعہ سنی مسئلہ کھڑا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس سے سب سے زیادہ پاکستان متاثر ہوگا کیونکہ یہاں عظیم اکثریت اہلِ سنت کی ہے‘ لیکن شیعہ اقلیت بھی اچھی خاصی تعداد میں ہے اور وہ بڑے متحرک ہیں۔ ایران اور امریکہ جوہری تنازعہ کے حوالہ سے ایک معاہدے کے لیے فریم ورک پر متفق ہو چکے ہیں لہٰذا جلد ہی حتمی معاہدہ ہو جائے گا جس کے نتیجہ میں ایران سے تمام تجارتی پابندیاں ختم کر دی جائیں گی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ امریکہ و یورپ اب ایران کارڈ کا بھرپور استعمال کریں گے۔ ایران کو مضبوط کر کے سعودی عرب کو از حد خوف زدہ کیا جا رہا ہے‘ کیونکہ جنگ کرانے کے لیے طاقت کا کسی قدر توازن ضروری ہے۔ ایران کے ساتھ عراق اور لبنان کی حزب اللہ ہے۔ شام خود خانہ جنگی میں پھنسا ہوا ہے۔ باقی تقریباً سارا عالمِ اسلام عرب کے ساتھ ہے‘ لہٰذا جب تک ایران کو مضبوط نہیں کیا جائے گا بڑی اور خونریز جنگ ممکن نہیں۔ سلامتی کونسل نے اس وقت تک حوثیوں کو اسلحہ فراہم کرنے پر پابندی نہیں لگائی جب تک وہاں اتنا اسلحہ جمع نہیں ہو گیا کہ حوثی طویل عرصہ تک سرکاری فوجوں کا مقابلہ کر سکیں پھر یہ کہ پابندی کے بعد بھی کیا گارنٹی ہے کہ اسلحہ سمگل کر کے حوثیوں کو نہیں پہنچایا جائے گا۔ بہرحال اندرونِ یمن اقتدار کی جنگ نے انارکی اور خانہ جنگی کی بدترین صورت اختیار کر لی ہے۔ باغی حوثیوں نے پہلے علی عبداللہ صالح کو حکومت سے فارغ کیا اور بعد ازاں عبدالرب منصور الہادی کو ملک سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس تنازع میں ایران حوثی

باغیوں اور سعودی عرب یمن کی حکومت کی پشت پناہی کر رہا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں اسلامی ممالک اپنے اپنے فریق کی حمایت میں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو چکے ہیں۔ ایران خفیہ طور پر حوثیوں کی مدد کر رہا ہے‘ اُنہیں اسلحہ اور گولہ بارود پہنچا رہا ہے جبکہ سعودی عرب اور اُس کے اتحادی کھلم کھلا حوثیوں پر فضائی حملے کر رہے ہیں۔ پاکستان کا معاملہ یہ ہے کہ ایران اُس کا ہمسایہ اور سعودی عرب انتہائی قریبی دوست ہے۔

سعودی عرب نے تنازعہ کے آغاز ہی میں حکومت پاکستان سے رابطہ کیا اور میاں نواز شریف کو سعودی عرب کے دورہ کی دعوت دی۔ وہاں اُن کا پُرجوش خیر مقدم ہوا۔ بادشاہ سلمان بن عبدالعزیز وزیراعظم کے استقبال کے لیے خود ہوائی اڈے پر موجود تھے۔ یہ اعزاز پہلے کسی پاکستانی سربراہ حکومت کو حاصل نہیں ہوا تھا۔ سعودی بادشاہ نے میاں نواز شریف سے ہر نوعیت کی فوجی امداد اور تعاون کی درخواست کی۔ یہ پاکستان کے لیے بڑا نازک اور حسّاس معاملہ تھا‘ لہٰذا تدبّر اور معاملہ فہمی کی شدید ضرورت تھی۔ معتبر ذرائع کے مطابق میاں صاحب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سعودی حکومت کو ہر قسم کے تعاون کی یقین دہانی کرا دی‘ لیکن پاکستان واپسی پر انہیں سیاسی ہی نہیں بعض مذہبی جماعتوں کی طرف سے بھی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان جماعتوں کے قائدین کی طرف سے اس طرح کے بیانات جاری ہونا شروع ہو گئے: ’’ہم پہلے ہی پرائی جنگ میں اُلجھ کر اپنا بہت نقصان کر چکے ہیں‘ ہمیں غیر جانبدار رہنا چاہئے‘‘ وغیرہ وغیرہ۔ اس صورتِ حال نے نواز شریف اور اُن کی حکومت پر زبردست گھبراہٹ طاری کر دی۔ اس گھبراہٹ میں اُنہوں نے جلد بازی میں پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس طلب کر لیا۔ مشترکہ پارلیمنٹ نے ایک متفقہ قرارداد منظور کر لی جس کے ۱۲ نکات ہیں۔ اس کے نکتہ نمبر ۸ میں پارلیمنٹ حکومت کو غیر جانبدار رہنے کا مشورہ دیتی ہے۔ ظاہر ہے‘ عالمِ عرب میں اس پر اظہار ناراضگی اور ناپسندیدگی کیا گیا۔ یو اے ای کے نائب وزیر خارجہ ڈاکٹر قرقاش نے دھمکی آمیز انداز میں یہ کہہ دیا کہ پاکستان کو اس قرارداد کی وجہ سے نتائج بھگتنا پڑیں گے۔ چودھری نثار جو وزیر داخلہ ہیں‘ اُن کی غیرت جاگ اٹھی اور اُنھوں نے اس ردعمل کو غیر دوستانہ اور غیر سفارتی قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کر ڈالی۔ سعودی عرب کے وزیر مذہبی امور فوراً پاکستان پہنچے۔ اُنھوں نے کہا کہ ڈاکٹر قرقاش نے دھمکی نہیں دی تھی‘ شکایت کی تھی۔ گویا انداز غلط تھا‘ بات درست تھی۔ اُنہوں نے وزیراعظم سے ملاقات کی‘ جس کے بعد ایک غیر معمولی بات ہوئی۔ وزیراعظم خود پریس کے سامنے آئے اور معذرت خواہانہ انداز میں کہا کہ عرب بھائی پارلیمنٹ کی قرارداد کو سمجھ نہیں سکے۔ انہوں نے حکومت پاکستان کی طرف سے پالیسی بیان جاری کرتے ہوئے دو ایسی باتیں کیں جس سے پارلیمنٹ کی قرارداد کی

کوئی حیثیت نہ رہی۔ (۱) پاکستان صدر عبدالرب منصور الہادی کی حکومت کی فوری بحالی چاہتا ہے۔ (۲) ایران کے وزیر خارجہ ظریف جواد کو ہم نے کہہ دیا ہے کہ وہ حوثی باغیوں کو مذاکرات کی میز پر لائے۔ سعودی عرب کے مزید اطمینان کے لیے اپنے برادر خورد جناب شہباز شریف کی سربراہی میں سیاسی اکابرین کا وفد فوری طور پر سعودی عرب پہنچ گیا۔ شہباز شریف کو سعودی عرب بھیجنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ سعودی ردعمل نے شریف خاندان کو سخت پریشان کیا کہ ملکی مفاد پر بھی زبردست زد پڑے گی اور اُن کے ذاتی تعلقات جنہیں وہ اپنے اقتدار کے لیے بھی سہارا بنائے ہوئے ہیں' وہ بھی بُری طرح متاثر ہوں گے۔ پاکستان اور اُن کے خاندان کو نام نہاد غیر جانبداری بھگتنا پڑے گی۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ سعودی حکمران خاندان پاکستان کی فوجی مدد اور تعاون کے حوالہ سے اُن کی یقین دہانیوں پر اعتماد نہیں کر رہا۔ وہ دوٹوک اعلان اور عمل چاہتا ہے' لہٰذا اس عدم اطمینان اور ناراضگی کو دور کرنے کے لیے اب نواز شریف اپنے ساتھ آرمی چیف راحیل شریف کو بھی ساتھ لے کر گئے ہیں۔

اب آیئے اس طرف کہ یمن تنازع میں پاکستان کا رول کیا ہونا چاہیے تھا یا اُس کی پالیسی کیا ہونی چاہیے تھی۔ آیئے ہر زاویہ اور سمت سے اس کا جائزہ لیں۔ مسلمان گروہوں کے مابین لڑائی جھگڑے پر ہمارا دین ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ پہلے اُن دونوں میں صلح کی کوشش کرو۔ لیکن اگر صلح نہ ہو سکے تو یہ فیصلہ کرو کہ ان میں سے حق پر کون ہے' جو فریق حق پر ہو اُس کے ساتھ مل کر دوسرے فریق کے ساتھ جنگ کرو۔ سیدھی سی بات ہے کہ یمن میں عبدالرب منصور کی قانونی حکومت موجود تھی' حوثیوں نے اس حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کی اور اس بغاوت میں ایران نے اُن کی بھرپور معاونت کی اور ملک میں انارکی اور فساد پھیل گیا۔ اب وہاں کسی کی بھی حکومت نہیں۔ گویا حوثیوں نے فساد فی الارض کا معاملہ کیا ہے۔ ایران مذاکرات کا شور وغوغا کرتا ہے لیکن حوثیوں کو میز پر لانے کو تیار نہیں۔ سعودی عرب کا مطالبہ ہے کہ سابقہ قانونی حکومت بحال کی جائے اور بعد ازاں منصفانہ انتخابات منعقد کرائے جائیں' اگر حوثی انتخابات جیتیں تو حکومت اُن کے حوالہ کر دی جائے' ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بات بڑی معقول ہے' لیکن ایران حوثیوں کو مذاکرات کی میز پر لانے کی کوئی کوشش نہیں کر رہا۔ دنیوی سطح پر بھی دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ سعودی عرب نے گزشتہ ۶۸ سال میں کئی مرتبہ ہماری زبردست مدد کی جس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ پھر یہ کہ عرب اور خلیجی ریاستوں میں پچیس لاکھ سے زائد پاکستانی ہماری زرمبادلہ کی ضرورت کا بہت بڑا حصہ پورا کر رہے ہیں' یعنی ہماری معیشت کے ٹوٹے پھوٹے ڈھانچے کے لیے یہ سب

سے بڑا سہارا ہے۔ اگرچہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ ہمارے لیے حرمین شریفین مقدس ہیں اور مکہ مدینہ کی حفاظت ہمیں اپنی جان' مال عزت حتیٰ کہ پاکستان کی حفاظت سے بھی کہیں زیادہ اہم ہونا چاہیے' لیکن سعودی خاندان کو قطعی طور پر تقدس حاصل نہیں۔ تاہم اس حوالہ سے چند باتوں پر غور کیا جانا چاہیے:

اگر کوئی بدطینت حرمین شریفین کی بے حرمتی کا قصد کرے گا تو پہلا کام یہ کرے گا کہ اُس کے محافظوں کے خلاف جنگ کرے گا۔

موجودہ سعودی حکمران جیسے کیسے بھی ہیں' کیا یہ حقیقت نہیں کہ حرمین شریفین کی خدمت کا جو معیار اس خاندان نے قائم کیا ہے اس معاملہ میں کسی دوسرے کا اُن پر سبقت لے جانا ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔

یہ کہنا غلط ہے کہ سعودی عرب کی سالمیت کو سرے سے کوئی خطرہ نہیں۔ ایران جس طرح کا اور جتنا اسلحہ یمن پہنچا رہا ہے وہ آج نہیں تو کل سعودی عرب کی سالمیت کے لیے خطرے کا باعث بنے گا۔

کیا اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ استعماری قوتیں خصوصاً شیطان کے ایجنٹ یہودی حرمین شریفین کے بارے میں کتنے خوف ناک عزائم رکھتے ہیں اور وہ اسی طرح کے کسی فساد فی الارض سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حرمین شریفین کے تقدس کو پامال کرنے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ یمن تنازع کے پس منظر میں حرمین شریفین کی سکیورٹی کا معاملہ بلاجواز اٹھا دیا گیا' صریحاً غلط ہے۔ البتہ وہ عرب جسے سعودی عرب کہا جاتا ہے' وہاں اندرونی طور پر کوئی فساد برپا کیے بغیر پُرامن ذرائع سے موجودہ حکومت تبدیل ہوتی ہے اور حرمین شریفین کی خدمت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا تو ہمارے لیے حکومت مقدس ہرگز نہیں۔ قصہ مختصر' نواز شریف حکومت دینی اور دنیوی بنیادوں پر یمن تنازع میں پاکستان کا رول متعین کرے۔ ہماری رائے میں فریقین میں صلح وصفائی کی کوشش کے بعد سعودی عرب کے ساتھ تعاون ناگزیر ہے' کیونکہ ایران کی نسبت عرب کا موقف ہمیں زیادہ مبنی برحق دکھائی دیتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ عالم اسلام غیروں کی سازشوں کو سمجھنے کی کوشش کرے اور متحد ہو کر اسلام دشمن قوتوں کا مقابلہ کرے اور امتِ مسلمہ ایک حقیقت بن سکے' ایک ایسا جسد بن سکے جس کے ایک حصہ کی تکلیف دوسرے حصے کو بے چین اور بے تاب کر دے۔ آمین یارب العالمین!

❁❁❁

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ طٰہٰ

آیات ۹۹ تا ۱۰۴

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا
ذِكْرًا ۝ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ
وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ
يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۝ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا
يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝

آیت ۹۹ ﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ﴾ ’’(تو اے نبی ﷺ!) اس طرح ہم سنا رہے ہیں آپ کو حالات اُس (زمانے) کے جو گزر چکا ہے۔‘‘

اس طرح بذریعہ وحی پچھلی اقوام کے تفصیلی حالات حضور ﷺ کو فراہم کیے جا رہے ہیں۔

﴿وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝﴾ ’’اور ہم نے آپؐ کو خاص اپنے پاس سے ذکر عطا کیا ہے۔‘‘

ہم نے اپنے فضل خاص سے آپ ﷺ کو یہ قرآن عطا کیا ہے۔ اس میں پچھلے زمانے کی خبریں بھی ہیں اور یاد دہانی اور تذکیر و نصیحت بھی۔

آیت ۱۰۰ ﴿مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝﴾ ’’جس کسی نے اس (قرآن) سے اعراض کیا تو وہ قیامت کے دن ایک بھاری بوجھ اٹھائے گا۔‘‘

آیت ۱۰۱ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝﴾ ’’یہ لوگ اس (کیفیت) میں ہمیشہ رہیں گے‘ اور ان کے لیے بہت برا ہوگا قیامت کے دن کا وہ بوجھ۔‘‘

آیت ۱۰۲ ﴿يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۝﴾ ’’جس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اس دن اکٹھا کریں گے (اس حالت میں) کہ ان کی آنکھیں نیلی پڑی ہوں گی۔‘‘

انتہائی خوف کی کیفیت میں انسان کی آنکھوں میں نیلاہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس دن خوف اور دہشت سے مجرموں کی آنکھیں نیلی پڑ چکی ہوں گی۔

آیت ۱۰۳ ﴿يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝﴾ ’’چپکے چپکے وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے ہوں گے کہ تم نہیں رہے ہو (دنیا میں) مگر صرف دس دن۔‘‘

آیت ۱۰۴ ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝﴾ ’’ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہیں گے‘ جب ان میں سے بہترین سمجھ بوجھ والا شخص کہے گا کہ تم نہیں رہے ہو مگر (زیادہ سے زیادہ) ایک دن۔‘‘

اَمْثَل کے معنی مثالی کے ہیں‘ یعنی ان میں سے بہترین طریقے والا‘ انتہائی شائستہ‘ مہذّب (cultured) اور سب سے زیادہ پڑھا لکھا شخص۔ یہ گویا ان کا لال بجھکڑ ہوگا جو دنیا میں بزعم خود مثالی شخصیت کا مالک اور دانشور تھا۔ یہی ترکیب قبل ازیں آیت ۶۳ میں بھی ہم پڑھ چکے ہیں۔ وہاں فرعون کا وہ بیان نقل ہوا تھا جس میں اس نے اپنے ملک کے آئین و تمدن کو ’’طَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى‘‘ قرار دیا تھا۔

یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات پر مشتمل پانچ رکوع اختتام پذیر ہوئے۔ اس سے آگے سورۃ کے اختتام تک وہی مضامین ہیں جو عام طور پر مکی سورتوں میں ملتے ہیں۔

آیات ۱۰۵ تا ۱۱۵

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا
صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ
لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝ يَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ
الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ

لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا
وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ
الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ
رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ
عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾

آیت ۱۰۵ ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں‘‘

واقعاتِ قیامت کے سلسلے میں جب آپ ﷺ ان کو بتاتے ہیں کہ روزِ محشر روئے زمین ایک صاف اور ہموار میدان کا نقشہ پیش کرے گی تو یہ لوگ سوال کرتے ہیں کہ اتنے بڑے بڑے پہاڑی سلسلوں کا کیا بنے گا؟ وہ کہاں چلے جائیں گے؟

﴿فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾﴾ ’’آپؐ کہہ دیجیے کہ میرا رب ان کو ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دے گا۔‘‘

آیت ۱۰۶ ﴿فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾﴾ ’’اور چھوڑ دے گا اس (زمین) کو صاف چٹیل میدان بنا کر۔‘‘

آیت ۱۰۷ ﴿لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾﴾ ’’آپ نہ تو اس میں کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے اور نہ کوئی ٹیلا۔‘‘

تب زمین ایک ہموار چٹیل میدان کی صورت اختیار کر جائے گی اور دیکھنے والا اس میں کوئی نشیب و فراز محسوس نہیں کرے گا۔

آیت ۱۰۸ ﴿يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ﴾ ’’جس دن پیچھے چل پڑیں گے سب لوگ ایک پکارنے والے کے‘ ممکن نہیں کہ اس سے ذرا کج ہو سکیں۔‘‘

تمام انسانوں کو اس دن جب اکٹھے ہونے کے لیے پکارا جائے گا تو ہر کوئی اس پکار پر لبیک کہے گا۔ کسی کے لیے ممکن نہیں ہوگا کہ اس حکم کو نظر انداز کر کے اِدھر اُدھر ہو سکے۔

﴿وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾﴾ ’’اور تمام آوازیں رحمٰن کے سامنے پست ہو جائیں گی‘ چنانچہ تم نہیں سن سکو گے مگر ایک بھنبھناہٹ سی۔‘‘

آیت ۱۰۹ ﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾﴾ ’’اس دن کوئی شفاعت ہرگز مفید نہیں ہوگی مگر جس کے لیے رحمٰن نے اجازت دی ہو‘ اور اس کے لیے اس نے بات پسند کی ہو۔‘‘

آیت ۱۱۰ ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾﴾ ’’وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے اُس کے علم کا۔‘‘

یہی بات سورۃ البقرۃ‘ آیت ۲۵۵ (آیت الکرسی) میں الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس طرح بیان فرمائی گئی ہے: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ﴾ ’’وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے‘ اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے اس کے علم کا کچھ بھی‘ مگر یہ کہ جو وہ خود چاہے۔‘‘

آیت ۱۱۱ ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ﴾ ’’اور سب کے چہرے جھکے ہوئے ہوں گے اُس ہستی کے حضور جو الحی القیوم ہے۔‘‘

قرآن مجید کا یہ تیسرا مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے یہ دو نام الحیّ اور القیوم ایک ساتھ آئے ہیں۔ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ‘ آیت ۲۵۵ (آیت الکرسی) اور سورۂ آل عمران‘ آیت ۲ میں یہ دونوں نام اکٹھے آ چکے ہیں۔ الحی القیوم کے بارے میں عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ’’اسم اللہ الاعظم‘‘ یعنی اللہ کا عظیم ترین نام (اسم اعظم) ہے جس کے حوالے سے جو دعا کی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔

﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾﴾ ’’اور یقیناً خائب و خاسر ہوا وہ جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا۔‘‘

یعنی کسی طرح کے شرک کا مرتکب ہوا۔

آیت ۱۱۲ ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾﴾ ''اور جس کسی نے نیک اعمال کیے ہوں گے اور وہ مؤمن ہوگا تو اسے نہ کسی بے انصافی کا اندیشہ ہوگا اور نہ کسی زیادتی کا۔''

آیت ۱۱۳ ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے نازل کیا ہے اس (کلام) کو عربی قرآن بنا کر' اور پھیر پھیر کر بیان کی ہیں ہم نے اس میں تمام وعیدیں''

﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾﴾ ''شاید کہ وہ تقویٰ اختیار کریں یا (شاید) وہ پیدا کرے ان (کے دلوں) میں کچھ یاددہانی۔''

ہوسکتا ہے قرآن کی تاثیر سے ان کے اندر کوئی مثبت سوچ یا ایمان کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

آیت ۱۱۴ ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ﴾ ''تو بہت بلند و بالا ہے اللہ' بادشاہ حقیقی۔''

﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ﴾ ''اور آپؐ جلدی نہ کیجیے اس قرآن کے ساتھ اس سے پہلے کہ آپؐ پر اس کی وحی مکمل ہو جائے''

''عجلت'' کا مضمون یہاں چوتھی مرتبہ آیا ہے۔ (وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو آیت نمبر ۸۳ کی تشریح)۔ آپ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ قرآن کے معاملے میں جلدی نہ کریں۔ آپؐ کا شوق بجا مگر وحی سے متعلق تمام معاملات (وقت' مقدار' مضمون وغیرہ) اللہ کی حکمت اور مشیت کے مطابق طے پائیں تو اسی میں خیر اور بہتری ہے۔

﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾﴾ ''اور آپؐ یہ کہتے رہا کیجیے کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔''

جیسے جیسے قرآن نازل ہو رہا ہے' آپؐ اس کے اَسرار و رموز سے متعلق اپنے فہم و تدبر اور بصیرتِ باطنی میں اضافے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مسلسل دعا کرتے رہیں۔

آیت ۱۱۵ ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور ہم نے اس سے پہلے آدمؑ سے ایک عہد لیا تھا''

یعنی مخصوص درخت کے پاس نہ جانے کا عہد' جس کا ذکر قرآن میں متعدد بار ہوا ہے۔

﴿فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾﴾ ''تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں

ارادے کی پختگی نہیں پائی۔''

آیت زیر نظر میں ''عزم'' کے دو ترجمے کیے گئے ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔ ایک ارادے کی پختگی۔ اس لحاظ سے وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے آدمؑ کے اندر ارادے کی پختگی' ہمت اور عزیمت نہیں پائی۔ وہ اللہ سے کیے گئے اپنے عہد کو نبھا نہ سکے اور اس اعتبار سے انہوں نے کمزوری کا مظاہرہ کیا۔ یہ دراصل انسانی خلقت کے اندر موجود اس کمزوری کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر سورۃ النساء میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾﴾ کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اس کا دوسرا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ ہم نے اس کے اندر (سرکشی کا) ارادہ نہیں پایا۔ یعنی آدمؑ نے جان بوجھ کر اس عہد کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ ہم نے انؑ کی نیت میں سرکشی' بغاوت اور نافرمانی کا کوئی ارادہ نہیں دیکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بھول گئے تھے' ان پر نسیان طاری ہو گیا تھا' جس کی وجہ سے انہیں وقتی طور پر اللہ کا وہ عہد یاد نہیں رہا تھا۔ نسیان دراصل انسان کی ایک فطری کمزوری ہے اور اسی حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ عظیم دعا سکھائی ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ﴾ (البقرۃ:۲۸۶) کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارا مواخذہ نہ کرنا اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا ہو جائے۔

آیات ۱۱۶ تا ۱۲۸

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ۝ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ
اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝ اِنَّ لَكَ
اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ
الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ فَاَكَلَا
مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۬
وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝ قَالَ
اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ
اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ
مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ

اَعۡمٰی وَقَدۡ کُنۡتُ بَصِیۡرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ کَذٰلِکَ اَتَتۡکَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیۡتَہَا ۚ وَکَذٰلِکَ
الۡیَوۡمَ تُنۡسٰی ﴿۱۲۶﴾ وَکَذٰلِکَ نَجۡزِیۡ مَنۡ اَسۡرَفَ وَلَمۡ یُؤۡمِنۡۢ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ ؕ
وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَۃِ اَشَدُّ وَاَبۡقٰی ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمۡ یَہۡدِ لَہُمۡ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا قَبۡلَہُمۡ مِّنَ
الۡقُرُوۡنِ یَمۡشُوۡنَ فِیۡ مَسٰکِنِہِمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّہٰی ﴿۱۲۸﴾

اب یہاں قصہ آدم وابلیس پانچویں مرتبہ بیان ہونے جا رہا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ (رکوع:۴)' سورۃ الاعراف (رکوع:۲)' سورۂ بنی اسرائیل (رکوع:۷) اور سورۃ الحجر (رکوع:۳) میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

آیت ۱۱۶ ﴿وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اَبٰی ﴿۱۱۶﴾﴾ ''اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ سجدہ کرو آدمؑ کو' تو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے' اُس نے انکار کر دیا۔''

آیت ۱۱۷ ﴿فَقُلۡنَا یٰۤاٰدَمُ اِنَّ ہٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ وَلِزَوۡجِکَ فَلَا یُخۡرِجَنَّکُمَا مِنَ الۡجَنَّۃِ
فَتَشۡقٰی ﴿۱۱۷﴾﴾ ''تو ہم نے کہا: اے آدمؑ! یقیناً یہ دشمن ہے تمہارا بھی اور تمہاری بیوی کا بھی' تو (دیکھو!) یہ تم دونوں کو کہیں جنت سے نکلوا نہ دے' کہ پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ۔''

آیت ۱۱۸ ﴿اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوۡعَ فِیۡہَا وَلَا تَعۡرٰی ﴿۱۱۸﴾﴾ ''یقیناً اس میں نہ تو تمہیں بھوک ستاتی ہے اور نہ عریانی (کا خدشہ) ہے۔''

آیت ۱۱۹ ﴿وَاَنَّکَ لَا تَظۡمَؤُا فِیۡہَا وَلَا تَضۡحٰی ﴿۱۱۹﴾﴾ ''اور یہ کہ نہ تمہیں اس میں پیاس (پریشان کرتی) ہے اور نہ دھوپ (کی کوئی تکلیف)۔''

آیت ۱۲۰ ﴿فَوَسۡوَسَ اِلَیۡہِ الشَّیۡطٰنُ﴾ ''تو وسوسہ ڈالا اس کے ذہن میں شیطان نے۔''
﴿قَالَ یٰۤاٰدَمُ ہَلۡ اَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَۃِ الۡخُلۡدِ وَمُلۡکٍ لَّا یَبۡلٰی ﴿۱۲۰﴾﴾ ''اس نے کہا: اے آدمؑ! کیا میں بتاؤں تجھے ہمیشہ رہنے والے درخت اور ایسی بادشاہی کے بارے میں جو کبھی پرانی نہ ہو؟''

کہ اس درخت کا پھل کھانے کے بعد آپؑ کو دوام حاصل ہو جائے گا اور زندگی کے لیے کبھی فنا کا خدشہ نہیں ہوگا۔ گویا شیطان نے اپنی پہلی سازش کا جال انسان کی اسی کمزوری کو بنیاد بنا کر بُنا تھا جس کا ذکر سورۂ مریم کی آیت ۹۲ کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ یہاں اہرامِ مصر کے

حوالے سے درج ذیل الفاظ ایک دفعہ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیجیے:

They defined cry of man's will
To survive and conquer the storms of time

یعنی انسان وقت کے طوفانوں کو فتح کر لینا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ اس کی ہستی کو اس دنیا میں دوام اور تسلسل نصیب ہو۔ چنانچہ شیطان نے انسانِ اوّل کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غیر فانی زندگی اور ہمیشہ کی بادشاہی مل جانے کا جھانسہ دے کر اسے ممنوعہ درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کر لیا۔

آیت ۱۲۱ ﴿فَاَکَلَا مِنۡہَا فَبَدَتۡ لَہُمَا سَوۡاٰتُہُمَا﴾ ''تو ان دونوں نے کھا لیا اس میں سے' تو ان پر واضح ہو گئیں ان کی شرمگاہیں''

چنانچہ حضرت آدم اور حضرت حوا (علیہما السلام) دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا۔ اس پھل کے چکھتے ہی وہ دونوں بے لباس ہو گئے اور ان کی شرمگاہیں نظر آنے لگیں (اس مضمون کی تفصیل سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے)۔

﴿وَطَفِقَا یَخۡصِفٰنِ عَلَیۡہِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّۃِ ؕ﴾ ''اور وہ لگے گا نٹھنے اپنے اوپر جنت (کے درختوں) کے پتوں کو۔''

﴿وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی ﴿۱۲۱﴾﴾ ''اور آدمؑ نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ بھٹک گیا۔''

آیت ۱۲۲ ﴿ثُمَّ اجۡتَبٰہُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیۡہِ وَہَدٰی ﴿۱۲۲﴾﴾ ''پھر اس کے رب نے اسے پسند کر لیا' اس کی توبہ قبول فرمائی اور اسے ہدایت بخشی۔''

آیت ۱۲۳ ﴿قَالَ اہۡبِطَا مِنۡہَا جَمِیۡعًا ۚ بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ﴾ ''(اس کے بعد) اللہ نے فرمایا کہ تم سب کے سب اس (جنت) سے اتر جاؤ' اب تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔''

﴿فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ ہُدًی ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ ہُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشۡقٰی ﴿۱۲۳﴾﴾ ''تو جب بھی تمہارے پاس آئے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو نہ وہ بہکے گا اور نہ ناکام ہوگا۔''

آیت ۱۲۴ ﴿وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا﴾ ''اور جس نے میری

یاد سے اعراض کیا تو یقیناً اس کے لیے ہوگی (دنیا کی) زندگی بہت تنگی والی‘‘

ایسا شخص دُنیوی زندگی میں اطمینان اور راحت سے محروم کر دیا جائے گا۔ پیاس کے مریض کی طرح (کہ وہ جتنا چاہے پانی پی لے اس کی پیاس ختم نہیں ہوتی) ایسے شخص کی ہوس کبھی ختم نہ ہوگی۔ کروڑوں حاصل کر کے بھی مزید کروڑوں کی خواہش اس کا چین اور اطمینان غارت کیے رکھے گی۔

﴿وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾﴾ ’’اور ہم اٹھائیں گے اسے قیامت کے دن اندھا (کر کے)۔‘‘

آیت ۱۲۵ ﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾﴾ ’’وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا ہے‘ جبکہ میں (دنیا میں) تو بینائی والا تھا۔‘‘

آیت ۱۲۶ ﴿قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾﴾ ’’اللہ فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئیں تو تم نے انہیں نظر انداز کر دیا‘ اور اسی طرح آج تمہیں بھی نظر انداز کر دیا جائے گا۔‘‘

آیت ۱۲۷ ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ﴾ ’’اور اسی طرح ہم بدلہ دیں گے اُس کو جس نے حد سے تجاوز کیا اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لایا۔‘‘

﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾﴾ ’’اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔‘‘

آیت ۱۲۸ ﴿اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ﴾ ’’تو کیا انہیں اس بات سے کوئی راہنمائی نہیں ملی کہ ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو‘‘

﴿يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ﴾ ’’وہ بھی چلتے پھرتے تھے (اسی طرح) اپنی آبادیوں میں۔‘‘

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾﴾ ’’یقیناً اس میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے۔‘‘

آیات ۱۲۹ تا ۱۳۵

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَاۗئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

آیت ۱۲۹ ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾﴾ ’’اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی اور ایک وقت معین مقرر نہ کر دیا گیا ہوتا تو یہ (عذاب) چمٹ چکا ہوتا۔‘‘

اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی مہلت کی مدت پہلے سے طے نہ فرما دی ہوتی تو ان پر کب کا عذاب آ چکا ہوتا۔ ترتیبِ عبارت اصل میں یوں ہے: ’’وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى لَكَانَ لِزَامًا‘‘ لیکن یہاں پر عبارت کے مخصوص آہنگ (rhythm) کے پیش نظر الفاظ میں تقدیم و تاخیر کی گئی ہے۔

اگلی آیات کی سورۃ الحجر کی آخری پندرہ آیات کے ساتھ گہری مشابہت ہے۔

آیت ۱۳۰ ﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ ’’تو (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے اس پر جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں‘‘

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ﴾ ’’اور تسبیح بیان کیجیے اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے

سے پہلے۔‘‘

یہ نمازِ فجر اور نمازِ عصر کی طرف اشارہ ہے۔

﴿وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ﴾ ’’اور رات کے کچھ اوقات میں بھی تسبیح کیجیے‘‘

اس سے نماز مغرب اور عشاء مراد ہیں۔

﴿وَاَطْرَافَ النَّهَارِ﴾ ’’اور دن کے اطراف میں بھی‘‘

دن کے دونوں اطراف سے دن کے آغاز اور سورج ڈھلنے کے بعد کے اوقات مراد ہیں۔ دن کے آغاز میں صلوٰۃ الضحیٰ یا نماز چاشت کا وقت ہے جبکہ سورج ڈھلنے کے بعد نماز ظہر کا۔ یعنی نصف النہار کے بعد جتنے وقفے پر نماز ظہر کا وقت ہے تقریباً اتنے ہی وقفے پر نصف النہار سے پہلے نماز چاشت کا وقت ہے۔ نمازوں کی تعداد اصل میں آٹھ ہے۔ (ان میں سے تین کو فرض نہیں رکھا گیا) جن کے اوقات چوبیس گھنٹوں میں بڑی خوبصورتی سے برابر تقسیم پر رکھے گئے ہیں‘ اس طرح کہ تقریباً ہر تین گھنٹے بعد نماز کا وقت ہے۔ لیکن ان میں سے صرف پانچ نمازوں کو فرض کیا گیا ہے‘ باقی تین (اشراق‘ چاشت‘ اور تہجد) کو نفلی قرار دے دیا گیا تاکہ عام لوگوں کو فجر سے ظہر تک اپنی معاشی سرگرمیوں کے لیے اور رات کو آرام کے لیے تسلسل کے ساتھ مناسب وقت مل سکے۔

﴿لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾﴾ ’’تاکہ آپؐ راضی ہو جائیں۔‘‘

اگر آپؐ اس پر عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو خوش کر دیں گے۔ ان احکام کی تعمیل کا ایسا اجر ملے گا کہ آپؐ راضی ہو جائیں گے۔

آیت ۱۳۱ ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ ’’اور آپؐ کی نگاہیں نہ اٹھیں ان چیزوں کی طرف جو ہم نے ان میں سے کئی لوگوں کو دی ہوئی ہیں‘‘

ہو بہو یہی الفاظ سورۃ الحجر‘ آیت ۸۸ میں بھی آئے ہیں کہ اے نبی ﷺ! آپ! ان کے مال و اسباب اور دنیوی آسائش و آرائش کے سامان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں‘ مبادا کسی کو گمان ہو کہ آپ ﷺ کی نظروں میں بھی ان چیزوں کی کوئی وقعت اور اہمیت ہے۔

﴿زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ﴾ ’’یہ چمک دمک ہے دنیوی زندگی کی‘ تاکہ ہم ان کو اس میں آزمائیں۔‘‘

آپؐ تو حقیقت آشنا ہیں‘ آپؐ تو جانتے ہیں کہ یہ دنیا اور اس کا مال و متاع سب کچھ فانی

ہے اور مقصود اس سے صرف لوگوں کی آزمائش ہے۔ سورۃ الکہف میں اس حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾﴾ ’’ہم نے تو جو کچھ بھی زمین پر ہے اسے اس کا بناؤ سنگھار بنایا ہے تاکہ انہیں ہم آزمائیں کہ ان میں کون بہتر ہے عمل میں۔‘‘

﴿وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾﴾ ’’اور آپؐ کے رب کا (عطا کردہ) رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔‘‘

اور وہ رزق کون سا ہے؟ سورۃ الحجر کی آخری آیات سے موازنہ کریں (جن آیات سے ان آیات کی مشابہت کا ذکر کیا گیا ہے) تو اس سوال کا جواب ان الفاظ میں ملتا ہے: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾﴾ ’’اور ہم نے آپؐ کو دی ہیں سات بار بار پڑھی جانے والی آیات اور عظمت والا قرآن۔‘‘

یعنی سورۃ الفاتحہ کی سات آیات! یہ سورت ایک مؤمن کے لیے زندگی بھر کا وظیفہ ہے۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں وہ اس کی تلاوت کرتا ہے۔ گویا یہ روحانی غذا اور روحانی دولت جو ایک مؤمن کو اپنے نبی ﷺ کی وساطت سے عطا ہوئی ہے‘ دُنیوی مال و متاع سے کہیں زیادہ عمدہ اور کہیں زیادہ باقی رہنے والی ہے۔

آیت ۱۳۲ ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ﴾ ’’اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دیجیے اور خود بھی اس پر جمے رہیے۔‘‘

﴿لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ﴾ ’’ہم آپؐ سے کوئی رزق نہیں مانگتے‘ (بلکہ) ہم خود آپ کو رزق دیتے ہیں۔‘‘

﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾﴾ ’’اور عاقبت انہی کے لیے (بہتر) ہے جو پرہیزگاری کی روش اختیار کریں۔‘‘

آیت ۱۳۳ ﴿وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ﴾ ’’اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی اس کے رب کی طرف سے؟‘‘

ہر بات‘ ہر دلیل کے جواب میں مشرکین مکہ کی ایک ہی رٹ تھی کہ اگر آپؐ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں تو ہمیں کوئی حسّی معجزہ کیوں نہیں دکھاتے؟

﴿اَوَلَمۡ تَاۡتِہِمۡ بَیِّنَۃُ مَا فِی الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی ﴿۱۳۳﴾﴾ ''کیا ان کے پاس نہیں آئیں روشن نشانیاں جو پچھلے صحیفوں میں تھیں؟''

پہلے آسمانی صحیفوں کی تعلیمات کا قرآن مجید میں موجود ہونا اور خود قرآن کا ان صحیفوں میں بیان کی گئی پیشین گوئیوں کا مصداق بن کر آ جانا کیا معجزہ نہیں ہے؟ اور کیا یہ معجزہ ان کی ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے؟

آیت ۱۳۴ ﴿وَلَوۡ اَنَّـاۤ اَہۡلَکۡنٰہُمۡ بِعَذَابٍ مِّنۡ قَبۡلِہٖ لَقَالُوۡا رَبَّنَا لَوۡلَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَیۡنَا رَسُوۡلًا﴾ ''اور اگر ہم اس (قرآن کے نزول) سے پہلے ہی انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لازماً کہتے کہ (اے پروردگار!) تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا''

﴿فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّذِلَّ وَنَخۡزٰی ﴿۱۳۴﴾﴾ ''کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے' ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے!''

یہ وہی اصول ہے جو ہم سورۂ بنی اسرائیل میں بھی پڑھ آئے ہیں: ﴿وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیۡنَ حَتّٰی نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ﴿۱۵﴾﴾ کہ ہم کسی قوم پر عذاب ہلاکت اُس وقت تک نہیں بھیجتے جب تک اللہ کی طرف سے کوئی رسول آ کر واضح طور پر حق کا احقاق اور باطل کا ابطال نہ کر دے۔ لیکن رسول کے اتمامِ حجت کے بعد بھی اگر قوم انکار پر اڑی رہے تو پھر اس کو عذابِ استیصال کے ذریعے سے ہلاک کر کے نسیاً منسیاً کر دیا جاتا ہے۔

آیت ۱۳۵ ﴿قُلۡ کُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوۡا ۚ﴾ ''آپ فرما دیجیے کہ ہر ایک انتظار میں ہے' پس تم لوگ بھی انتظار کرو۔''

﴿فَسَتَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَصۡحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ وَمَنِ اہۡتَدٰی ﴿۱۳۵﴾﴾ ''تو عنقریب تم لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کون سیدھی راہ پر ہیں اور کون ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں!''

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ' ونفعنى واياكم بالآيات والذّكر الحكيم oo

وَلِلّٰهِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی فَادۡعُوۡهُ بِهَا

قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورسز

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع!

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں:

۱) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لیے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی۔

۲) عربی گرامر خط و کتابت کورس (III,II,I)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لیے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۳) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لیے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کے لئے درج ذیل پتے پر رجوع فرمائیں

ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-35869501

Email: distancelearning@tanzeem.org

شرعی احکام کی اقسام

(فرائض دینی کا جامع تصور)

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے ۳۰ مئی اور ۶ جون ۲۰۰۸ء کے خطابِ جمعہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط (النساء:۱۳۶)

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (البقرہ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ۚ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ط (الحج:۷۸)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ق وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ع (آل عمران)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (الحجرات)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ لا (الصف)

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ (الصف)

عَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ جُرْثُوْمِ بْنِ نَاشِرٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :

((اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا ' وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا ' وَحَرَّمَ اَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا ' وَسَكَتَ عَنْ اَشْيَاءَ رَحْمَةً لَّكُمْ غَيْرَ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا)) (۱)

سیدنا ابوثعلبہ خشنی جرثوم بن ناشر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کر دیے ہیں انہیں ضائع مت کرو' اور اس نے کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو' اور اس نے کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کی حرمت پامال نہ کرو' اور اس نے تم پر شفقت فرماتے ہوئے بعض چیزوں کے متعلق عمداً سکوت فرمایا ہے لہٰذا ان کے متعلق تم کھود کرید مت کرو۔''

معزز سامعین کرام!

اربعین نووی کی حدیث نمبر ۳۰ آج ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ اس حدیث مبارکہ کے چار ٹکڑے ہیں اور یہ چاروں اہم ہیں' لیکن ان میں سب سے پہلا زیادہ اہم ہے' یعنی ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ پہلا حصہ باقی تین کے مقابلے میں اہم ترین ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے ان ٹکڑوں / جملوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

پہلا جملہ: ((اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا)) ''اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کر دیے ہیں' انہیں ضائع مت کرو!''

دوسرا جملہ: ((وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا)) ''اور اس نے کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں' ان سے تجاوز نہ کرو!''

تیسرا جملہ: ((وَحَرَّمَ اَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا)) ''اور اس نے کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے' ان کی حرمت پامال نہ کرو!''

چوتھا جملہ: ((وَسَكَتَ عَنْ اَشْيَاءَ رَحْمَةً لَّكُمْ غَيْرَ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا)) ''اور اُس نے تم پر شفقت فرماتے ہوئے بعض چیزوں کے متعلق عمداً سکوت فرمایا ہے' لہٰذا ان کے متعلق تم کھود کرید مت کرو!''

(۱) رواہ الدارقطنی وغیرہ۔ حدیث حسن!

آخری تین جملوں کے مضامین کا جائزہ

اس ضمن میں یہ نوٹ کر لیجیے کہ بعد والے تین جملوں کے مضامین کی احادیث اس سے پہلے بھی ہم پڑھ چکے ہیں‘ چنانچہ اربعین کی حدیث ۹ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ سیدنا ابوہریرہ عبدالرحمٰن بن صخر ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوْهُ، وَمَا اَمَرْتُكُمْ بِهٖ فَافْعَلُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَاِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَثْرَةُ مَسَائِلِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى اَنْبِيَائِهِمْ))(۱)

’’میں تمہیں جس کام سے منع کروں اس سے باز رہو‘ اور جس کام کا حکم دوں اسے بقدر استطاعت بجا لاؤ۔ کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو ان کے کثرتِ سوالات اور انبیاء سے اختلاف ہی نے ہلاک کر ڈالا تھا۔‘‘

اس حدیث میں وہی بات آ رہی ہے جو زیر مطالعہ حدیث کے چوتھے جملے میں بیان ہوئی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا ہے‘ تمہارے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ ان چیزوں میں سکوت اختیار کرو اور ان کی کھود کرید میں نہ پڑو۔

اسی طرح اربعین کی حدیث ۶ میں زیر مطالعہ حدیث کے درمیانی دونوں جملوں کے مضمون کا تذکرہ ہے۔ ابوعبداللہ سیدنا نعمان بن بشیر ؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((اِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ، وَاِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ، كَالرَّاعِي يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ، اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، اَلَا وَاِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ، اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ، وَاِذَا فَسَدَتْ

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ‘ باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الفضائل‘ باب توقیرہ وترک اکثار سؤالہ..... واللفظ لہ۔

فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ، اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ))(۱)

’’حلال چیزوں کا حکم بالکل واضح ہے اور حرام چیزوں کا حکم بھی واضح ہے‘ ان دونوں (حلال وحرام) کے درمیان کچھ امور متشابہ ہیں جن کی حلت وحرمت کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص اس قسم کی غیر واضح اشیاء سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا‘ اور جو شخص اس قسم کے امور کو اختیار کرنے لگے وہ حرام میں جا پڑے گا‘ جیسا کہ کوئی چرواہا مخصوص چراگاہ کے آس پاس جانوروں کو چرائے تو ہوسکتا ہے کہ جانور چراگاہ میں جا پہنچیں۔ خبردار! ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ سے مراد اس کی حرام کردہ اشیاء ہیں۔ خبردار! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے‘ اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خبردار! وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔‘‘

حدود اللہ کے قریب جانے کی ممانعت

الغرض زیر مطالعہ حدیث کے آخری تین جملوں سے ملتی جلتی احادیث اس سے پہلے بھی ہم پڑھ چکے ہیں۔ اس بارے میں صرف ایک بات نوٹ کر لیجیے کہ یہاں فرمایا: ((وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا)) ’’کہ اللہ نے کچھ حدود مقرر کی ہیں تو ان سے تجاوز نہ کرو‘‘۔ جبکہ قرآن مجید میں ان حدود اللہ کے بارے میں فَلَا تَعْتَدُوْهَا کے بجائے فَلَا تَقْرَبُوْهَا آیا ہے: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ (البقرۃ:۱۸۷) ’’یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدود ہیں‘ پس ان کے قریب بھی مت جاؤ‘‘۔ ایک تو یہ ہے کہ آپ نے ان حدود کو کراس کر لیا اور ان سے تجاوز کر گئے۔ یہ تو گویا معاملہ بہت ہی آگے بڑھ گیا‘ جبکہ ایک یہ ہے کہ آپ نسیان یا معصیت میں اس کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ قریب پہنچ جانے کے بعد پھر وہی اندیشہ ہے کہ کہیں آپ باقاعدہ حرام کے اندر ملوث نہ ہو جائیں تو اس لیے فرمایا کہ ﴿فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ ان کے قریب بھی نہ پھٹکو۔

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الایمان‘ باب فقل من استبرأ لدینہ۔ وصحیح مسلم‘ کتاب المساقاۃ‘ باب اخذ الحلال وترک الشبہات۔

آپ کے علم میں ہے کہ یہی لفظ قرآن میں زنا کے بارے میں بھی آیا ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝۳۲﴾ (بنی اسراء یل) ''اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ' اس لیے کہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے' اور بہت برا راستہ ہے''۔ احادیث میں آتا ہے کہ آنکھوں کا بھی زنا ہے' کانوں کا بھی زنا ہے' ہاتھ اور پاؤں کا بھی زنا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا أَدْرَكَ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ، فَزِنَا الْعَيْنَيْنِ النَّظَرُ، وَزِنَا اللِّسَانِ النُّطْقُ، وَالنَّفْسُ تَمَنَّى وَتَشْتَهِي، وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ أَوْ يُكَذِّبُهُ)) (۱)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر زنا سے اُس کا حصہ لکھ دیا جسے وہ ضرور حاصل کرے گا۔ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے' اور زبان کا زنا بات چیت ہے' اور دل تمنا اور خواہش کرتا ہے' اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔''

آنکھوں کا زنا یہ ہے کہ نامحرم خاتون کو بار بار دیکھنا۔ ایک دفعہ نگاہ پڑ گئی تو وہ معاف ہے' اس لیے کہ وہ غیر اختیاری ہے' لیکن اگر آپ نے دوبارہ مڑ کر دیکھا ہے تو یہ آپ کا اختیاری فعل ہے اور اس پر پکڑ ہوگی۔ کانوں کا زنا یہ ہے کہ نامحرم عورتوں کی آواز سننا۔ ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس صنف نازک میں مردوں کے لیے ایک خاص حکمت کے تحت کشش (attraction) رکھی ہے۔ اگر یہ کشش نہ ہوتی تو تمدن اور تہذیب کا یہ سارا معاملہ کیسے چلتا۔ کون شادی کر کے اتنا بڑا کھکھیڑ مول لیتا۔ کہاں ایک پیٹ پالنا اور کہاں آٹھ دس پیٹوں کے لیے انتظام کرنا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مرد کے لیے عورت کے اندر اتنی کشش رکھ دی ہے کہ اس کی آواز کے اندر بھی ایک سُریلا پَن ہوتا ہے جس میں جاذبیت ہوتی ہے۔ چنانچہ سورۃ الاحزاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے بھی کہا گیا ہے کہ اگر وہ غیر محرم لوگوں سے بات کر رہی ہوں تو گفتگو میں نرمی پیدا نہ کریں — مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیجا کہ میری فلاں زوجہ کے گھر سے

(۱) صحیح مسلم' کتاب القدر' باب قدر علیٰ ابن آدم حظه من الزنا وغیره۔

فلاں چیز لے آئیں تو ان سے پردے کے پیچھے سے بات کرنے کے حوالے سے حکم دیا گیا کہ اے نبی کی بیویو! ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ (آیت ۳۲) ''گفتگو میں اپنی آواز میں لوچ مت پیدا کرو''۔ الغرض نسوانی آواز کا سننا گویا کانوں کا زنا ہے۔ ہاتھ کا زنا لمس اور چھونا ہے اور اس کے بعد ظاہر بات ہے کہ شرمگاہیں پھر اس عمل کی تکمیل کرتی ہیں جسے عرفِ عام میں ہم ''زنا'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

دین کے جملہ فرائض اور اوامر و نواہی پر ایک نظر

بہرحال زیر مطالعہ حدیث میں بیان کردہ آخری تین چیزیں ماقبل احادیث میں بھی آئی ہیں' لہٰذا میں ان کے بجائے زیر مطالعہ حدیث کے پہلے جملے پر زیادہ زور دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ فرائض کون سے ہیں جو اللہ نے ہمارے اوپر لازم اور واجب کر دیے ہیں۔ ظاہر ہے ان کی فہرست بنائی جائے تو وہ بہت طویل ہو جائے گی' بایں طور کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر کا صیغہ آیا ہے' وہ گویا اللہ کی طرف سے اس شے کی فرضیت کا اعلان ہے۔ اس ضمن میں چند آیات ابتدا میں' میں نے آپ کو سنائی ہیں۔ ان آیات کی تفصیل میں جائے بغیر ان کا متن اور ترجمہ میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو سکے کہ فرائض کی لسٹ کتنی لمبی ہے۔

ایمان کے حوالے سے حکم ہوا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (النساء:۱۳۶) ''اے ایمان کے دعوے دارو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر (جیسا کہ اس کا حق ہے)''۔ پھر آپ کو معلوم ہے کہ ارکانِ اسلام میں سے دو یعنی نماز اور زکوٰۃ کا تو بار بار قرآن مجید میں ذکر آتا ہے' مثلاً سورۃ البقرۃ میں فرمایا: ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝۴۳﴾ ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ''۔ پھر نمازِ جمعہ کا خصوصی ذکر بھی کیا گیا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ﴾ (الجمعۃ:۹) ''اے ایمان والو! جب تمہیں پکارا جائے نماز کے

لیے جمعہ کے دن تو لپکو اللہ کے ذکر کی طرف اور کاروبار چھوڑ دو''۔ روزے کے بارے میں فرمایا:﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۵۸) ''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا لوگوں کے لیے ہدایت بنا کر اور ہدایت اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کی روشن دلیلوں کے ساتھ' پس جو کوئی بھی تم میں سے اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے روزے رکھے''۔ آگے مریض اور مسافر کے لیے رعایت بیان کر دی گئی کہ وہ بعد ازاں روزے رکھ کر گنتی پوری کر لیں۔ حج کے بارے میں فرمایا:﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾﴾ (البقرۃ) ''اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر کہ وہ حج کریں اُس کے گھر کا' جو بھی استطاعت رکھتا ہو اس کے سفر کی' اور جس نے کفر کیا تو (وہ جان لے کہ) اللہ بے نیاز ہے تمام جہان والوں سے''۔ یعنی اگر کوئی سفر کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتا تو گویا وہ کفر کا مرتکب ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کی کوئی پروا نہیں ہے۔

اسی طرح اسلام کے بارے میں فرمایا:﴿فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ﴿۳۴﴾﴾ (الحج) ''پس اُسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دو' اور (اے نبی ﷺ) بشارت دے دیجیے ان کو جو اپنے آپ کو جھکا دیتے ہیں (اللہ کے سامنے)''۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا:﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ﴾ (آیت ۲۰۸) ''اے ایمان والو! اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے''۔ یعنی جزوی نہیں بلکہ پورے کا پورا اسلام اپنے اوپر نافذ کرو۔ اسی طرح اطاعت کے حوالے سے فرمایا:﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ﴾ (النساء:۵۹) ''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو (اُس کے) رسول کی اور اُن کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں۔''

تقویٰ کے حوالے سے فرمایا:﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ (آل عمران:۱۰۲) ''اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق

ہے''۔ اللہ کی عبادت کے حوالے سے حکم ہوا:﴿فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ﴾ (العنکبوت:۱۷) ''پس تم اللہ ہی کے پاس رزق کے طالب بنو اور اُسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو''۔ اسی سورۃ میں آگے حکم ہوا:﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾﴾ ''اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو! میری زمین بہت وسیع ہے' پس تم میری ہی عبادت کرو''۔ اس آیت میں یہ حکم بھی مضمر ہے کہ اگر کسی جگہ پر ایسا ماحول ہے کہ تم میری عبادت نہیں کر پا رہے تو اس جگہ کو چھوڑ دو' وہاں سے ہجرت کر کے کسی ایسے علاقے میں چلے جاؤ جہاں تمہیں میری عبادت سے کوئی نہ روکے۔

سورۃ المائدۃ میں فرمایا گیا:﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫﴾ (آیت ۸) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بن جاؤ''۔ یہی مضمون سورۃ النساء میں بھی آیا ہے:﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ (آیت ۱۳۵) ''اے اہلِ ایمان! کھڑے ہو جاؤ پوری قوت کے ساتھ عدل کو قائم کرنے کے لیے اللہ کے گواہ بن کر''۔ جہاد کے بارے میں حکم ہوا:﴿وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ﴾ (الحج:۷۷) ''اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ اس کی راہ میں جہاد کا حق ہے''۔ اور پھر قتال کے بارے میں فرمایا:﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾ (الانفال:۳۹) ''اور (اے مسلمانو!) ان (کافر و مشرکین) سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (کفر) باقی نہ رہے اور دین کُل کا کُل اللہ ہی کا ہو جائے۔''

سورۃ الحج کی آخری سے پہلی آیت بہت جامع ہے اور اس میں چار احکام جمع کر دیے گئے ہیں:﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾﴾ ''اے ایمان کے دعوے دارو! جھک جاؤ' اور سربسجود ہو جاؤ' اور اپنے رب کی بندگی کرو' اور نیک کام کرو تاکہ تم فلاح پاؤ!'' اسی طرح سورۂ آلِ عمران کی آخری آیت میں بھی چار احکام بیان ہوئے ہیں:﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا

اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ''اے اہلِ ایمان! صبر کرو‘ اور صبر میں اپنے دشمنوں سے بڑھ جاؤ‘ اور آپس میں مربوط رہو‘ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

دین کے جملہ فرائض میں باہمی ربط وتناسب

میں نے ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر آپ کے سامنے یہ تمام اوامر ونواہی بیان کیے ہیں۔ ان کے بارے میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان میں باہمی ربط کیا ہے؟ اور کون سی چیز بنیادی اہمیت کی حامل ہے اور کون سی چیز ثانوی حیثیت رکھتی ہے؟ اس کا جاننا بہت ضروری ہے‘ اس لیے کہ اگر ان فرائض میں درجہ بندی کا خیال نہ رکھا جائے تو ع ''گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی'' کے مصداق یہ بات انسان کی بربادی کا باعث بن سکتی ہے۔ ہوسکتا ہے ایک شے جو آپ سے مَن بھر مطلوب ہے‘ وہ تو آپ ایک تولہ کر کے فارغ ہو جائیں اور جو تولہ بھر مقصود تھی اس کے اوپر آپ ایک مَن کا ڈھیر لگا دیں۔ یہ نسبت وتناسب کا اُلٹ ہو جانا بھی انسان کی تباہی و بربادی‘ ناکامی اور آخرت کے خسران پر منتج ہوسکتا ہے۔

اس نسبت وتناسب کو سمجھنے کے لیے میں آپ کے سامنے ایک عمارت کا نقشہ رکھتا ہوں — ایک مرتبہ جمعہ میں خطاب کرتے ہوئے اچانک وہ نقشہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں ڈال دیا۔ یہ کوئی تیس پینتیس سال پرانی بات ہے‘ لیکن اس کے بعد جہاں بھی میں نے وہ نقشہ بیان کیا ہے تو اس سے بہت سے لوگوں کو انشراح حاصل ہوا ہے۔ یہ واقعتاً ایسے ہی ہے کہ ایک آدمی کی بینائی کمزور ہوگئی ہے‘ وہ ٹھیک طور پر دیکھ نہیں پاتا ‘لیکن جب اسے عینک لگ جاتی ہے تو اسے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے روشنی حاصل ہوگئی اور جو چیزیں پہلے دھندلی نظر آ رہی تھیں اب وہ صاف نظر آنے لگ جاتی ہیں۔ اسی طریقے سے دین کے جملہ فرائض میں نسبت وتناسب کو سمجھنے کے لیے یہ نقشہ ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے۔

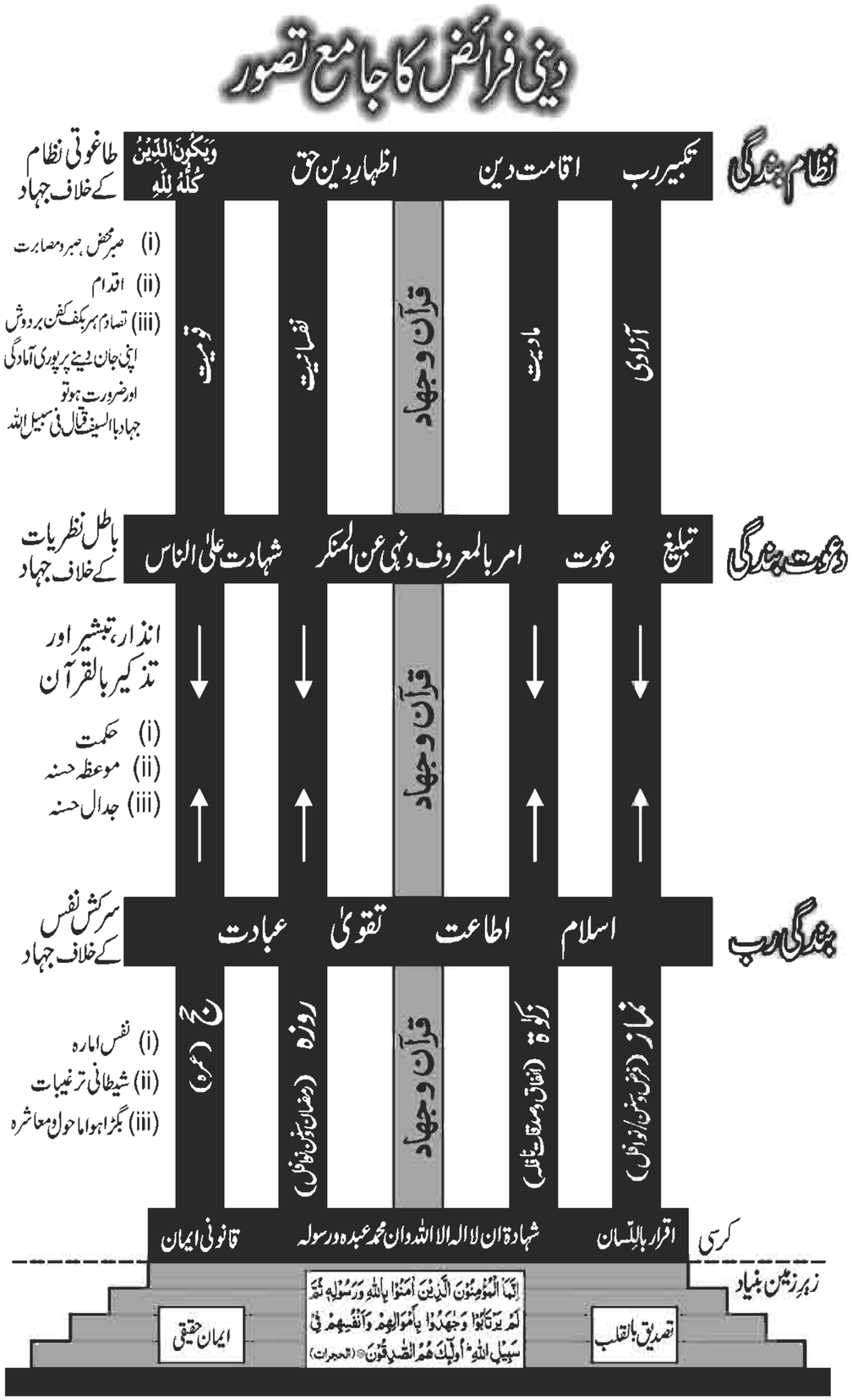

آپ ایک تین منزلہ عمارت کا تصور اپنے ذہن میں قائم کریں جس کی پہلی منزل پر صرف چار ستون کھڑے ہیں۔ ستونوں کے علاوہ نہ کوئی دیواریں ہیں اور نہ کوئی کمرے وغیرہ ہیں۔ آج کل کے رواج کے مطابق گویا پارکنگ لاٹ کے طور پر وہ جگہ چھوڑ دی گئی۔ البتہ اس پہلی منزل کے نیچے ایک بنیاد ہے اور ان بنیادوں پر یہ چاروں ستون کھڑے ہیں۔ پھر ان بنیادوں کے بھی دو حصے ہیں' ایک حصہ وہ ہے جو نظر آ رہا ہے اور وہ سطح زمین سے اوپر ہوتا ہے' جسے آپ پلنتھ (plinth) اور کرسی بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہ بھی بنیاد ہے' لیکن اصل بنیاد وہ ہے جو زیر زمین ہے اور نظر نہیں آتی۔ ظاہر بات ہے کہ عمارت کی مضبوطی کا سارا دارومدار اس پر ہے۔ جتنی اونچی عمارت آپ نے بنانی ہے اس کی فاؤنڈیشن اتنی ہی گہری ہونی چاہیے۔

ان بنیادوں پر چار ستون ہیں اور پھر ان چار ستونوں کے اوپر پہلی چھت آ گئی۔ اب اس کے اوپر تعمیر (construction) کی وجہ سے ستون نظر نہیں آئیں گے لیکن ستون اوپر چڑھتے رہیں گے اور ان ستونوں پر ہی دوسری چھت بھی آئے گی۔ آج کل انجینئرنگ کا اصول یہی ہے کہ بلڈنگ کا سارا سٹرکچر ستونوں پر استوار ہوتا ہے۔ باقی دیواروں کو بڑی آسانی سے اِدھر اُدھر کیا جا سکتا ہے اور اس سے چھت پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا' اس لیے کہ چھت کا سارا وزن تو ستونوں پر ہے' نہ کہ دیواروں پر۔ اب ان ستونوں پر دوسری چھت آ گئی۔ پھر یہی ستون اوپر جائیں گے اور تیسری چھت بھی انہی پر آ جائے گی۔ غور کیجیے کہ چار ہی ستون ہیں اور اس کے اوپر تین چھتیں ہیں اور ظاہر بات ہے کہ نیچے بنیاد (foundation) بھی ہے۔

دین کی بنیاد: ایمان اور اسلام!

اس سہ منزلہ عمارت کے نقشہ کو ذہن میں رکھیے۔ میں یہاں درمیان سے شروع کروں گا۔ دیکھئے اسلام تو گویا نقطہ آغاز ہے۔ اسلام کے بارے میں ہم یہ الفاظ پڑھ چکے ہیں: ((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ.....)) کہ اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ ان میں سے پہلا اِقْرَارٌ بِاللِّسَان ہے جو پلنتھ لیول ہے۔ ظاہر ہے کہ جب آپ نے اقرار کیا اور کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ

مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ شخص مسلمان ہے۔ یہ تو گویا عمارت کی بنیاد کا وہ حصہ ہے جو لوگوں کو نظر آتا ہے۔ لیکن ایک ہے ایمان یعنی تصدیق بالقلب' اور یہ درحقیقت اصل بنیاد ہے جو نظر نہیں آتی۔ دل میں ایمان ہے یا نہیں' ہمیں نظر نہیں آتا' لیکن اصل ایمان وہی ہے۔ سورۃ الحجرات' آیت ۷ میں فرمایا: ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ ''لیکن (اے نبی ﷺ کے ساتھیو!) اللہ نے تمہارے نزدیک ایمان کو بہت محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں کے اندر کھبا دیا ہے''۔ اور پھر آگے آیت ۱۴ میں بدوؤں کے بارے میں فرمایا: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾ ''یہ بدو کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ (اے نبی ﷺ ان سے) کہہ دیجیے: تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو' بلکہ تم یوں کہو کہ ہم مسلمان (اطاعت گزار) ہو گئے ہیں اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔''

دین کے چار ستون: نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ

یوں سمجھئے کہ ہم نیچے سے اوپر کی طرف چل رہے ہیں۔ اصل بنیاد ہے ایمانِ قلبی' یعنی یقین والا ایمان اور اس کے بعد پلنتھ کی حیثیت رکھتا ہے زبان سے گواہی دینا۔ اس کے اوپر چار ستون چار عبادات ہیں: نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ۔ اس حوالے سے ہم یہ حدیث پڑھ چکے ہیں:

((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ' وَاِقَامِ الصَّلَاةِ' وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ' وَحَجِّ الْبَيْتِ' وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) (۱)

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔''

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب بنی الاسلام علی خمس۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان ارکان الاسلام

دین کی پہلی چھت اور اس کی چار اصطلاحات

دین کے ان چار ستون پر اوپر کی تینوں چھتوں کا وزن ہے۔ پہلی چھت کے بارے میں آپ اچھی طرح نوٹ کر لیں کہ اس کے لیے چار اصطلاحات ہیں۔

۱) اسلام: اسلام کے معنی ہیں: سرِ تسلیم خم کر دینا‘ ہتھیار ڈال دینا (to surrender)۔ اس کے حوالے سے ہم تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں۔ گویا ایک لڑائی ہو رہی تھی‘ اس میں آپ نے ہارِ تسلیم کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے‘ سرِ تسلیم خم کر دیا۔

۲) اطاعت: یہ دوسری اصطلاح ہے۔ اطاعت یہ ہے کہ اپنی دلی مرضی اور خوشی کے ساتھ اللہ اور رسول ﷺ کا کہنا ماننا۔ ایک ہے مجبوری سے ماننا‘ اسلام تو وہ بھی شمار ہو جائے گا اور اس سے بھی جان و مال کو تحفظ حاصل ہو جائے گا‘ لیکن یہ اطاعت شمار نہیں ہوگی۔ جیسے اپنی جان بچانے کے لیے کسی کا اسلام کا اعلان کر دینا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بالفعل ایسا واقعہ پیش آیا تھا۔ ایک جنگ میں حضرت اُسامہؓ کا ایک مشرک سے دوبدو مقابلہ ہوا۔ مشرک نے جب دیکھا کہ میری تو اب بس ہو گئی ہے اور اب میں کچھ نہیں کر سکتا تو اس نے فوراً سے کلمہ پڑھ دیا: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه۔ لیکن حضرت اسامہؓ نے اسے قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کا پتا چلا تو آپؐ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ حضرت اسامہؓ نے وضاحت پیش کی کہ حضور! اُس نے تو جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟ — اگرچہ اُس نے جان بچانے کے لیے ہی کلمۂ شہادت پڑھا ہو‘ لیکن ہمیں حکم یہی ہے کہ کسی کے کلمہ پڑھ لینے کے بعد اس پر تمہاری تلوار نہیں چلنی چاہیے‘ اس لیے کہ کلمہ بہت بڑی ڈھال ہے۔ لیکن اطاعت کا مفہوم یہ ہے کہ دلی آمادگی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرنا۔ اطاعت کے بارے میں قرآن مجید میں متعدد بار یہ حکم آیا ہے: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ لیکن سورۃ النساء میں اللہ اور رسول کے ساتھ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

۳) تقویٰ: تیسری اصطلاح ہے۔ یعنی پوری زندگی احتیاط کے ساتھ اور پھونک پھونک

کر قدم رکھنا کہ کہیں حدود اللہ پامال نہ ہو جائیں‘ کہیں غیر شعوری طور پر بھی اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کا ارتکاب نہ ہو جائے۔ زیر مطالعہ حدیث میں ہم نے یہ الفاظ پڑھ لیے ہیں: ((وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا)) کہ اللہ تعالیٰ نے جو حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور سورۃ البقرۃ میں تو آیا ہے: ﴿فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ کہ ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔ اس کا نام تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے حوالے سے ہم یہ آیت پڑھ چکے ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ (آل عمران:۱۰۲) ’’اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے۔‘‘

۴) عبادت: دین کی پہلی چھت کے حوالے سے اب تک تین چیزیں بیان ہوئی ہیں: (۱) اسلام یعنی سرنڈر کرنا‘ (۲) اطاعت یعنی دلی آمادگی سے اللہ اور رسول کا حکم ماننا‘ اور (۳) تقویٰ یعنی پوری احتیاط ملحوظ رکھنا کہ کہیں قدم حدود اللہ سے تجاوز نہ کر جائیں۔ بلکہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ فاصلے پر رہیں اور اس کے قریب بھی نہ جائیں۔ اب ان سب کو جمع کریں تو ایک لفظ بنتا ہے: عبادت! اللہ کی محبت کے جذبہ سے سرشار ہو کر ہمہ تن‘ ہمہ وقت‘ ہمہ وجوہ اللہ کی بندگی اور اطاعت کرنا عبادت ہے۔ درحقیقت یہ پہلی چھت کے لیے چار اصطلاحات ہیں اور یہ چاروں بہت قریب قریب ہیں‘ لیکن ان چاروں اصطلاحات کو الگ الگ ذہن میں رکھئے‘ اس لیے کہ قرآن مجید کے مضامین اور اس کی حکمتوں کو سمجھنے اور جاننے کے لیے ان سے واقفیت حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔

عبادت کے حوالے سے میں تفصیل سے گفتگو کر چکا ہوں کہ عبادت کے لیے یہ عبادات (یعنی نماز‘ روزہ‘ حج‘ زکوٰۃ) فرض کر دی گئی ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اکثر و بیشتر لوگ صرف ان عبادات کو ہی عبادت سمجھ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ عبادت تو یہ ہے کہ ہمہ تن‘ ہمہ وقت‘ ہمہ وجوہ اللہ کی اطاعت اس کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر کرنا۔ کیا آپ ۲۴ گھنٹے نماز پڑھتے ہیں؟ کیا آپ روزانہ روزہ رکھتے ہیں؟ ظاہر بات ہے کہ یہ چاروں تو عبادات ہیں‘ جو شامیانے کے چار بانسوں کی مانند ہیں‘ جبکہ عبادت گویا اصل شامیانہ ہے۔

دین کی دوسری چھت اور اس کی چار اصطلاحات

جیسے میں نے نقشہ میں آپ کو بتایا کہ دین کی عمارت میں چار ستون ہیں اور ان ستونوں کے اوپر پہلی چھت بھی ہے اور پھر انہی کے اوپر دوسری چھت بھی پڑی ہوئی ہے۔ جیسے پہلی چھت کے لیے چار اصطلاحات تھیں اسی طرح اس دوسری چھت کے لیے بھی چار الفاظ/اصطلاحات نوٹ کر لیجیے۔

۱) تبلیغ: یعنی اللہ کے دین اور اللہ کی کتاب کی تبلیغ۔ نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ﴾ (المائدۃ:۶۸) ''اے رسول (ﷺ) پہنچا دیجیے جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپؐ کی طرف آپؐ کے رب کی جانب سے''۔ اس میں کوئی کتمان نہیں کرنا ہے اور نہ اس ضمن میں خود سے کوئی فیصلہ کرنا ہے کہ اس بات کو پہنچا دوں اور یہ نہ پہنچاؤں' بلکہ تمام کا تمام پہنچانا آپ پر فرض ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے وہ آیات بھی امت تک پہنچائی ہیں جن میں بظاہر احوال اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر عتاب ہوا ہے۔ مثلاً: ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ﴾ (التحریم:۱) ''اے نبی (ﷺ) آپ کیوں حرام ٹھہرا رہے ہیں (اپنے اوپر) وہ شے جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی ہے؟'' اسی طرح سورۂ عبس کی ابتدائی آیات کا معاملہ ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ۙ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ؕ﴿۲﴾ ..... ﴾۔ حضور اکرم ﷺ نے خود فرمایا کہ یہ آیات عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں اُتری ہیں —— حضرت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی تھے۔ ایک دن وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس اُس وقت آئے جب قریش کے بڑے بڑے سردار آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپؐ انہیں تبلیغ کر رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ اپنی ذاتی منفعت کے لیے تو کچھ نہیں کر رہے تھے' بلکہ آپؐ تو مسلمانوں ہی کی بھلائی کے لیے یہ سب کر رہے تھے کہ اگر یہ بڑے سردار ایمان لے آئیں تو اس وقت جو غریب مسلمان بیچارے ستائے جا رہے ہیں' ان کو کچھ نہ کچھ ریلیف مل جائے گا۔ جیسے حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما اسلام میں داخل ہوئے تو بہت سے مسلمانوں کو بہت کچھ ریلیف ملا

تھا۔ لیکن عبداللہ بن اُم مکتومؓ کو چونکہ پتا نہیں تھا تو وہ بار بار حضور ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے۔ اس پر حضور اکرم ﷺ کو کچھ ناگواری کا احساس ہوا اور آپؐ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اس پر سورۂ عبس کی یہ آیات نازل ہو گئیں:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ۙ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ؕ﴿۲﴾ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰٓی ۙ﴿۳﴾ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ؕ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ۙ﴿۵﴾ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ؕ﴿۶﴾ وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی ۙ﴿۸﴾ وَهُوَ یَخْشٰی ۙ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ؕ﴿۱۰﴾﴾

''تیوری پر بل پڑ گئے اور انہوں نے رخ موڑ لیا' اس لیے کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور (اے نبی ﷺ) آپ کو کیا معلوم شاید کہ وہ تزکیہ حاصل کرتا' یا وہ نصیحت حاصل کرتا اور وہ نصیحت اس کے لیے مفید ہوتی۔ لیکن وہ جو بے نیازی دکھاتا ہے' آپ اس کی فکر میں رہتے ہیں۔ اور اگر وہ پاکی اختیار نہیں کرتا تو آپ پر کوئی الزام نہیں۔ اور وہ جو آپؐ کے پاس چل کر آیا ہے' اور اس کے دل میں خشیت بھی ہے' اس سے آپؐ استغناء برت رہے ہیں۔''

ان آیات کے نزول کے بعد عالم یہ تھا کہ عبداللہ بن اُم مکتومؓ جب بھی آتے تھے تو آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: مَرْحَبًا بِالَّذِیْ اَعْتَبَنِیَ اللّٰهُ مِنْهُ ''مرحبا اس شخص کے لیے جس کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر عتاب فرمایا''۔ بہرحال یہ ہے تبلیغ اور اللہ کے رسول ﷺ نے یہ فریضہ مکمل طور پر ادا کیا۔

۲) دعوت: دوسری چھت کے ضمن میں یہ دوسری اصطلاح ہے۔ دعوت اور تبلیغ تقریباً ہم معنی لفظ ہیں لیکن ان میں کچھ فرق بھی ہے۔ میں ان چیزوں کا ربط آپ کے سامنے ظاہر کر رہا ہوں۔ تبلیغ میں آپ خود پہنچ کر بات پہنچاتے ہیں جس کو انگریزی میں کہتے ہیں:

reach out to others to convey the meesage of Allah.

جبکہ دعوت میں آپ اس بندہ کو اللہ کی طرف کھینچ کر لاتے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک ہی عمل کے دو پہلو ہیں۔ تبلیغ یعنی بات کا پہنچانا اور دعوت یعنی کسی کو بلانا اور کھینچ کر لانا۔

۳) امر بالمعروف ونہی عن المنکر: یہ انہی دو باتوں یعنی دعوت

وتبلیغ کے ضمن میں دوسری جہت کی تیسری اصطلاح ہے۔ ''واضح رہے کہ ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' (بھلائی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا) ایک ہی اصطلاح ہے۔ یہ دو نہیں' بلکہ ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں دس مرتبہ یہ اسی طریقے سے جڑے ہوئے آئے ہیں۔ یہاں یہ یاد رکھیے کہ امر بالمعروف تو ہر سطح پر ہوگا' البتہ نہی عن المنکر صرف وہیں ہوگا جہاں آپ کو اختیار حاصل ہے۔ آپ کو اپنے گھر میں اختیار حاصل ہے کیونکہ آپ سربراہِ خاندان ہیں۔ آپ کا بچہ نماز نہیں پڑھ رہا تو آپ اسے مار سکتے ہیں' لیکن آپ پڑوسی کے بچے کو نماز نہ پڑھنے پر مار نہیں سکتے۔ ہاں نیکی کی تلقین ہر وقت کی جاسکتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ کوئی آپ کو جھڑک دے گا کہ کہاں سے آئے تم مجھے ہدایت کرنے اور سمجھانے؟ چنانچہ امر بالمعروف تو ہمیشہ کرنا ہے' لیکن نہی عن المنکر اپنے دائرہ اختیار میں۔ خاص طور پر بڑے پیمانے پر یہ اُس وقت ہوگا جب اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی اور یہ حکومت کا فرض ہوگا۔ اس بارے میں فرمایا گیا:

﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ﴾ (الحج: ۴۱) ''وہ لوگ کہ اگر انہیں ہم زمین میں تمکّن عطا کر دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔''

۴) شہادت علی الناس: اب ان تمام الفاظ یعنی (۱) تبلیغ' (۲) دعوت اور (۳) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو جمع کریں گے تو ایک لفظ بنے گا: شہادت علی الناس! اور یہ دین کی دوسری جہت کی دوسری اصطلاح ہے۔ دیکھئے دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر انفرادی سطح پر بھی کرنا ہے اور اجتماعی سطح پر بھی' اور اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں پر اللہ کی طرف سے حجت قائم ہو جائے اور وہ قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکیں کہ اے اللہ ہم تک تو تیرا پیغام کسی نے پہنچایا ہی نہیں تو ہم سے مواخذہ کیسا؟ ہم سے محاسبہ کس بات کا؟ لہٰذا یہ انبیاء اور رسولوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ لوگوں تک اللہ کے پیغام کو پہنچائیں' اس لیے کہ وہ تو بھیجے ہی اس مقصد کے لیے جاتے ہیں تاکہ لوگوں پر حجت

قائم کر دیں۔ اس بارے میں سورۃ النساء میں فرمایا گیا: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۶۵﴾﴾ ''یہ رسولؑ (بھیجے گئے) بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر تاکہ نہ رہ جائے لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت (دلیل) رسولوں کے آنے کے بعد۔ اور اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

ختمِ نبوت کے بعد اب یہ مقصد بحیثیتِ مجموعی امتِ مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔ اُمت نے چونکہ اس میں کوتاہی کی ہے لہٰذا صدیوں سے اللہ کی سزا کی گرفت میں ہے۔ میری ایک کتاب ہے: ''سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی' حال اور مستقبل''۔ سابقہ اُمت مسلمہ یہود کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ اللہ کی طرف سے ان پر کیسے کیسے عذاب آئے اور کیوں آئے' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی تھی۔ اس کا ذکر سورۃ البقرۃ میں دو دفعہ (آیت ۴۷ اور ۱۲۲) آیا ہے: ﴿یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾ ''اے یعقوب کی اولاد! یاد کرو میرے اُس انعام کو جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ میں نے تمہیں فضیلت عطا کی تمام جہان والوں پر''۔ لیکن تمہارے کرتوت یہ تھے کہ تم نے میری کتاب کو پس پشت ڈال دیا: ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۘ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾﴾ (البقرۃ) ''اور جب آیا اُن کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول (یعنی محمد ﷺ) تصدیق کرنے والا اُس کتاب کی جو ان کے پاس موجود ہے تو اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا' گویا وہ جانتے ہی نہیں۔''

اب اس کی سزا مختلف مواقع پر ان کو ملی۔ کبھی آشوریوں کے ہاتھوں ان کا قتل عام ہوا' کبھی بخت نصر کے ہاتھوں' کبھی یونانیوں کے ہاتھوں' کبھی رومیوں کے ہاتھوں۔ اس کے بعد پچھلی صدی میں جرمنوں کے ہاتھوں ان کا قتل عام ہوا ہے۔ یہ سارے عذاب اسی لیے آئے کہ انہوں نے بحیثیتِ اُمتِ مسلمہ اپنا فرض صحیح طریقے سے سرانجام نہیں دیا۔

ان میں کچھ نہ کچھ یقیناً نیکوکار بھی ہوں گے۔ قرآن مجید تو حضور ﷺ کے زمانے کے یہودیوں کے بارے میں بھی فرماتا ہے: ﴿لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝۱۱۳﴾ ’’یہ سب کے سب برابر نہیں ہیں۔ اہلِ کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو (سیدھے راستے پر) قائم ہیں‘ رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں‘‘۔ مزید فرمایا کہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر ان کے پاس ڈھیروں سونا رکھوا دو تو وہ اس میں رتّی برابر بھی خیانت نہیں کریں گے اور تمہیں جوں کا توں واپس کر دیں گے‘ لیکن ان میں سے ایسے بھی ہیں کہ ان کے پاس ایک دینار بھی رکھوا دو تو وہ واپس نہیں کریں گے۔ جب کسی قوم کی اکثریت اس طرح کی ہو جائے تو پھر ان پر اللہ کا عذاب آتا ہے اور اس عذاب کی گرفت میں وہ نیکوکار بھی آ جاتے ہیں۔

نصِ قرآنی کے مطابق اس عذاب سے صرف وہ لوگ بچائے جاتے ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہے‘ یعنی خود بھی گناہوں سے رکے رہے اور دوسروں کو بھی روکتے رہے۔ البتہ جو خود تو رکے رہے‘ لیکن دوسروں کو نہیں روکا تو وہ بھی عذاب کے اندر گھن کی طرح پس جاتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ الانفال میں ارشاد ہوا: ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ﴾ (آیت ۲۵) ’’اور ڈرو اُس فتنے سے جو تم میں سے صرف گنہگاروں ہی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا‘‘۔ یعنی یہ عذاب صرف ان کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا کہ جنہوں نے جرائم یا گناہ کیے‘ بلکہ وہ بے گناہ بھی اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے جو خاموش رہے‘ جنہوں نے دعوت و تبلیغ نہیں کی اور جنہوں نے اپنی حد امکان تک لوگوں کو برائی سے نہیں روکا۔ ظاہر بات ہے وہ بھی مجرم شمار ہوں گے اور وہ بھی اس عذاب کی زد میں آ جائیں گے۔ یہ ہے شہادت علی الناس!

دین کی تیسری چھت اور اس کی چار اصطلاحات

اب باری آئی دین کی تیسری چھت اور تیسری منزل کی ـــــ ع اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی! ـــــ اور یہ سب سے مشکل مقام ہے۔ دین کی تیسری منزل ہے:

دین کو قائم کرنے کی جِدّوجُہد کرنا۔ دین اسلام ایک مکمل نظام ہے اور یہ صرف کوئی عقیدہ نہیں ہے۔ موجودہ عیسائیت نرا عقیدہ ہے‘ اس میں اور کچھ نہیں ہے۔ شریعت بھی نہیں ہے‘ نہ کوئی شے حلال ہے اور نہ حرام۔ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ کہہ کر گئے تھے کہ شریعت موسوی تم پر لاگو رہے گی‘ لیکن سینٹ پال نے اس کو ساقط قرار دے دیا کہ شریعت ہم پر لاگو نہیں ہے۔ لہٰذا موجودہ عیسائیت ایسا مذہب ہے جس میں شریعت ہے ہی نہیں اور وہ صرف اس عقیدے پر مشتمل ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان لو اور اپنے دل میں اس کا یقین کر لو کہ تمہارے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے‘ اس لیے کہ مسیحؑ سولی پر چڑھ کر تمہاری طرف سے پہلے ہی کفارہ دے چکے ہیں۔ جو بھی اس عقیدے کو مان لے گا تو اس کی طرف سے کفارہ ہو جائے گا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! قرآن تو کہتا ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ﴾ (الانعام:۱۶۴) ’’کوئی جان دوسری کسی جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔‘‘

بعض مذاہب کے اندر عقیدہ بھی ہے‘ کچھ عبادات اور پوجا پاٹ بھی ہے‘ لیکن اس سے آگے کوئی نظام نہیں ہے۔ نہ سیاسی نظام ہے‘ نہ معاشی نظام ہے‘ نہ معاشرتی نظام ہے اور نہ فوجداری یا دیوانی قوانین ہیں۔ نہ کوئی سول قانون‘ نہ کوئی قانونِ شہادت‘ اور نہ کوئی عائلی قوانین ہیں‘ کچھ بھی نہیں ہے۔ جبکہ اسلام کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اسلام میں عقائد بھی ہیں‘ ایمانیات بھی اور عبادات ـــــ نماز‘ روزہ‘ حج اور زکوٰۃ ـــــ بھی۔ پھر کچھ رسومات ہیں‘ مثلاً بچہ پیدا ہوگا تو اس کا ختنہ کرائیں گے‘ عقیقہ کرائیں گے۔ کوئی فوت ہوگا تو اس کو جلائیں گے نہیں‘ بلکہ اس کی تجہیز و تکفین کریں گے اور اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ یہ رسومات ہیں۔ اس کے بعد اسلام کا معاشرتی نظام بھی ہے اور معاشی نظام بھی۔ اس کے فوجداری قوانین بھی ہیں‘ سول قوانین بھی‘ دیوانی قانون بھی‘ قانونِ شہادت بھی‘ عائلی قوانین بھی۔ پھر سب سے بڑھ کر اسلام کا ایک سیاسی نظام بھی ہے کہ اللہ کی حاکمیت اور اللہ کا قانون اس دنیا میں بالاتر رہے: ﴿لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ ’’تاکہ اللہ کی بات ہی سب سے اونچی ہو جائے‘‘۔ یہ جان جوکھوں کا کام ہے اور یہی اسلام کی

چوٹی اور بلندترین منزل ہے۔اب اس تیسری چھت کے لیے بھی چار اصطلاحات/الفاظ نوٹ کیجیے۔دو اصطلاحات مکی قرآن میں بیان ہوئی ہیں اور دو اصطلاحات کا تذکرہ مدنی قرآن میں ہے۔

۱) تکبیرِ رب: مکی قرآن میں بیان شدہ پہلی اصطلاح ہے: تکبیرِ رب! یعنی رب کو بڑا کرو۔ رب کو بڑا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ پر اللہ کی بڑائی نہیں مانی جارہی‘ وہاں اُس کی بڑائی منوائی جائے۔ جہاں اس کا قانون نافذ نہیں‘ اور اس کے احکام کے مطابق فیصلے نہیں ہو رہے وہاں اس کا قانون نافذ کیا جائے۔سورۃ المائدۃ میں بڑے دوٹوک انداز میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴿۴۴﴾..... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۴۵﴾..... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴿۴۷﴾﴾ ’’اور جو اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں ..... وہی تو ظالم ہیں ..... وہی تو فاسق ہیں‘‘۔ یہ تو نام نہاد مسلمان ہیں اور انہوں نے اسلام کو صرف مذہب سمجھا ہے‘ لیکن بطور دین اور نظام کے نہیں سمجھا۔آج پوری زمین پر ایسا کوئی خطہ نہیں ہے جہاں پر اللہ کا پورا دین قائم ہے۔تو دنیا میں اللہ کے دین کو قائم کرنا اور اس کے قانون کو نافذ کرنا تکبیرِ رب ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی ابتدائی وحیوں میں سے سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات بھی ہیں جن میں تکبیرِ رب کا حکم ہے۔فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴿۳﴾﴾ ’’اے کمبل میں لپٹ کر لیٹنے والے (ﷺ)! اٹھ کھڑے ہو اور (لوگوں کو) خبردار کرو! اور اپنے رب کو بڑا کرو!‘‘ ہم نے سمجھ لیا ہے کہ تکبیر رب کے معنی ہیں اللہ کو بڑا کہنا‘ لیکن تکبیر کے معنی یہ نہیں ہیں۔تکبیر کے معنی ہیں کسی شے کو بڑا کرنا اور تصغیر کے معنی ہیں کسی شے کو چھوٹا کرنا۔کتاب سے اسم تصغیر بنتا ہے ’’کتابچہ‘‘ کتاب بڑی تھی اور کتابچہ چھوٹا ہو گیا۔تکبیر ربّ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بڑائی مانی جائے اور اس کی حاکمیت دنیا میں بالفعل قائم کی جائے۔ پھر یہ اصطلاح سورۂ بنی اسرائیل کے اختتام پر بھی آئی ہے: ﴿وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا﴾ یعنی اسے اس طرح بڑا بناؤ جیسے کہ اس کے بڑا ہونے کا حق ہے۔

۲) اقامتِ دین: دین کی تیسری چھت کے حوالے سے یہ دوسری اصطلاح ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں اس کا حکم دیا گیا ہے: ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ ’’کہ دین کو قائم کرو اور اس میں جھگڑا مت ڈالو‘‘۔ہاں مذہب کی سطح پر اختلاف ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔نماز میں ہاتھ سینے پر ہوں یا ناف پر یا کھول دیں‘ اس اختلاف پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔اسی طرح رفع یدین کا معاملہ ہے‘ جو بھی روایات آپ کو مضبوط معلوم ہوں ان کو اختیار کر لیں‘ کوئی مضائقہ نہیں۔ مذہب کی سطح پر کوئی اختلاف ہو جائے تو وہ قابلِ قبول ہے‘ لیکن دین کے معاملے میں اختلاف کسی صورت قابلِ قبول نہیں۔ وہاں اختلاف کریں گے بھی کیسے؟ کیا آپ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت میں اختلاف کریں گے؟ اقامت دین کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو لازم پکڑو‘ اللہ کا قانون نافذ کرو‘ حدود اللہ کو قائم کرو‘ اور اس میں کسی اختلاف میں نہ پڑو۔ ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ (الشوریٰ:۱۳) ’’(اے مسلمانو!) اللہ نے تمہارے لیے دین میں وہی کچھ مقرر کیا ہے جس کی وصیت اس نے نوحؑ کو کی تھی اور جس کی وحی ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف کی ہے‘ اور جس کی وصیت ہم نے کی تھی ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ قائم کرو دین کو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو‘‘۔یعنی نوح کا‘ ابراہیم کا‘ موسیٰ کا‘ عیسیٰ (علیہم السلام) کا اور اے محمد ﷺ آپ سب کا دین ایک ہے‘ البتہ شریعتیں مختلف ہیں: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ (المائدۃ:۴۸) ’’تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل طے کر دی ہے‘‘۔ دیکھئے شریعتِ موسوی اور شریعتِ محمدیؐ میں فرق رہے گا‘ منہجِ عمل بھی تمام انبیاء و رسل کا ایک سا نہیں ہو سکتا‘ لیکن ہمارے لیے منہجِ نبوی کو اختیار کرنا لازم ہے۔

۳) اظہارُ دینِ الحقِّ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ: تیسری چھت یعنی دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کے حوالے سے مکی قرآن میں دو اصطلاحات بیان ہوئی ہیں: تکبیرِ رب اور اقامتِ دین۔ پھر اس ضمن میں دو ہی اصطلاحات مدنی قرآن میں بھی بیان

ہوئی ہیں۔ پہلی اصطلاح ہے: اِظْھَارُ دِینِ الْحَقِ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ! اور یہ قرآن مجید میں تین مرتبہ آئی ہے: ﴿ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ﴾ (التوبۃ:۳۳‘الفتح:۲۸‘ الصف:۹) ’’وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تا کہ غالب کر دے اسے کُل کے کُل دین (نظامِ زندگی) پر‘‘۔ یعنی صرف معاشرتی نظام پر نہیں‘ بلکہ سیاسی نظام پر بھی اور معاشی نظام پر بھی اللہ کا دین غالب ہو۔ سود حرام ہے لہٰذا اس کو ختم کرو‘ اس کا استیصال کرو‘ اسے جڑوں سے اُکھیڑ کر پھینک دو۔ فحاشی اور منشیات کو کمائی کا ذریعہ بنانا حرام ہے‘ لہٰذا اس کا سدباب کرو۔ یہ جو آج کل ہمارے معاشرے میں بے حیائی کو پھیلا کر اس کے ذریعے سے کمائی کے راستے اختیار کیے گئے ہیں اس سے ہمارا معاشرہ زوال کی جانب تیزی سے گامزن ہے۔ آج کل ہر شے کے اشتہار کے ساتھ عورت کی تصویر ہوتی ہے اور اخبارات میں اشتہارات کی بھرمار ہوتی ہے۔ پھر فیشن اور شوبز کے نام پر باتصویر رنگین صفحات الگ سے چھاپے جاتے ہیں‘ کہ یہ موسم گرما کا انداز ہے‘ یہ موسم سرما کا انداز ہے اور یہ بہار کے رنگ ہیں۔ یہ تمام چیزیں نہیں ہونی چاہئیں۔ میرے علم کی حد تک پوری دنیا میں‘ سوائے ترکی اور پاکستان کے‘ کہیں بھی روزانہ کے اخبارات میں کبھی رنگین تصویر نہیں آتی۔ جو ڈیلی نیوز پیپر خرید رہا ہے وہ تو خبروں کے لیے خرید رہا ہے‘ تو اس میں عورتوں کی رنگین تصاویر کس لیے ہیں؟ یہ طرزِ معاشرت اور یہ ذرائع معیشت قطعاً غیر اسلامی ہیں۔ لہٰذا سارے نظاموں پر اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد ضروری ہے‘ جس کے لیے قرآن کی جامع اصطلاح ہے: اظھارُ دِینِ الحقِّ علی الدِّین کلہ۔

٤) یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ: یہ بھی ایک جامع ترین اصطلاح ہے اور یہ سورۃ الانفال میں آئی ہے۔ ارشاد ہوا: ﴿وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ ۚ﴾ ’’اور (اے مسلمانو!) ان (کفار و مشرکین) سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (کفر) باقی نہ رہے اور دین کُل کا کُل اللہ ہی کا ہو جائے‘‘۔ یعنی ان مشرکین اور کفار سے جنگ کرو اور جنگ کرتے رہو‘ یہاں تک کہ فساد‘ فتنہ اور بغاوت بالکل فرو

ہو جائے اور نظام پورے کا پورا اللہ کے حکم کے تابع ہو جائے۔ اس آیت میں چوٹی کی بات بیان فرمائی گئی ہے‘ اس لیے کہ جہاد کی چوٹی قتال ہے۔

یہ ہے آخری منزل اور اس بارے میں ایک بات نوٹ کر لیجیے کہ سب سے اہم پہلی منزل ہے اور سب سے بلند تیسری منزل ہے۔ پہلی اس لیے اہم ہے کہ پہلی منزل ہو گی تو دوسری بنے گی اور دوسری ہو گی تو تیسری بنے گی۔ لیکن بلند ترین آخری منزل ہے‘ جس کے لیے یہ اصطلاحات بیان ہوئی ہیں: تکبیرِ رب‘ اقامتِ دین‘ لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا‘ اِظھارُ دینِ الحق عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ‘ وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ!

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کا صحیح فہم اور اس کے مختلف اجزاء کے باہمی ربط و تعلق کو سمجھنے اور اس کے مطابق اپنے فرائض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے‘ آمین یارب العالمین!

اقول قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمُسلمات

(مرتب: حافظ محمد زاہد‘ ادارتی معاون‘ شعبہ مطبوعات)

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن‘ دروسِ قرآن‘ دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری‘ صحیح مسلم‘ موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو ویڈیو کیسٹس‘ سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے ساتھ میری رفاقت کا سفر

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

میرے ماں باپ دونوں ناخواندہ تھے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کی ملی جلی آبادی تھی' ہر فریق دوسرے فریق کے خیالات سے متاثر تھا۔ ہندوؤں کے رسم و رواج مسلمان خاندانوں میں عام تھے۔ اسی ماحول میں میری پیدائش' پرورش اور ابتدائی تعلیم ہوئی۔ میری والدہ تو سادہ اور بھولی بھالی خاتون تھی جبکہ والد ناخواندہ ہونے کے باوجود باشعور' سمجھدار' روشن خیال اور فطرتِ سلیمہ کے مالک تھے۔ جس دیہاتی آبادی میں میں جوان ہوا مسلمان نماز روزے کو ہی اسلام سمجھتے تھے۔ یہ آبادی تعلیم کی اہمیت سے بڑی حد تک نابلد تھی۔ میں پہلا شخص تھا جس نے وہاں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ میں سکول میں ٹیچر تعینات ہوگیا۔ وہاں دیگر پڑھے لکھے لوگوں کی صحبت ملی تو شعور میں پختگی آئی۔ قرآن مجید کی اہمیت کا پتا چلا کہ یہ ہماری مذہبی کتاب ہے جو ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے' یہی اسلامی تعلیمات کا اولین ماخذ ہے۔ چنانچہ میں چاہتا تھا کہ قرآن مجید پڑھوں اور اس کو سمجھوں تاکہ پتا چلے کہ شریعت اسلامیہ کے کیا تقاضے ہیں۔ اس مقصد کے لیے میں نے عربی زبان سیکھنے کی کوشش کی اور جلد ہی مجھے عربی کی کچھ شُدبُد حاصل ہوگئی۔

مجھے شوق ہوا کہ بڑے بڑے دینی علوم کے ماہرین کے خیالات معلوم کروں اور اس سیدھے راستے پر چلوں جو صحیح اسلامی تعلیمات کا حامل ہو۔ اس سلسلہ میں میں نے چاہا کہ بڑے بڑے علماء اور سکالرز کے خطابات سنوں۔ اس مقصد کے لیے میں جن حضرات کو ملا اور اُن کے خیالات معلوم کیے اُن میں سے چند یہ ہیں: مفتی محمد شفیع' مولانا ابوالاعلیٰ مودودی' قاری محمد طیب' مولانا احتشام الحق تھانوی' مولانا محمد عمر اچھروی' مولانا احمد رضا کاظمی' علامہ پرویز'

مرزا ناصر الدین' احسان احمد شجاع آبادی اور علامہ دوست محمد۔ اس کے علاوہ مختلف علماء کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا۔ ان دنوں میں لاہور میں تھا اور تلاشِ حق میں سرگرم تھا۔ ایک دن اخبار میں اشتہار دیکھا کہ اتوار کے دن ڈاکٹر اسرار احمد سمن آباد میں درس قرآن دیں گے۔ میں وہاں پہنچ گیا اور سامعین میں شامل ہوگیا۔ میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر صاحب کا درس منفرد نوعیت کا تھا' اس میں قرآن فہمی کا انداز سادہ' مؤثر اور دل نشین تھا۔ ایک گھنٹے سے زیادہ کے درس میں کوئی جملہ ایسا نہ تھا جو زیرِ درس آیات کی تشریح میں زائد یا غیر متعلقہ ہو۔ اسی طرح گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب موضوع سے ذرا اِدھر اُدھر نہ ہوئے۔ پھر کیا تھا' میں آپ کے ہر درس میں شامل ہونے کی کوشش کرتا۔ کئی درس سننے کے بعد بھی مجھے اندازہ نہ ہو سکا کہ ڈاکٹر صاحب کس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں' کیونکہ وہ قرآنی آیات کی توضیح دوسری قرآنی آیات سے کرتے یا پھر رسول اللہ ﷺ کے فرمودات بیان کرتے۔ فقہی مسائل پر کم گفتگو کرتے۔ وہ قرآن فہمی کے لیے سیرت النبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل کو بنیادی حیثیت دیتے۔ آپ صحابہ کرامؓ کے اقوال اور بزرگانِ دین کی کاوشوں کا بڑی عقیدت کے ساتھ ذکر کرتے۔ آپ کے درس میں کوئی غیر مستند بات نہ ہوتی اور نہ ہی آیات کی تشریح میں اپنی طرف سے کوئی رائے قائم کرتے۔ فقہی مسائل میں وہ فقہائے اربعہ کی آراء کو اہمیت دیتے اور ان کے فتاویٰ کی قدر کرتے۔

ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خطابت اور تحریر دونوں اعلیٰ اوصاف سے نوازا تھا۔ اس سلسلہ میں اُن کے خطابات کی cassettes اور درجنوں کتب شاہد عادل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ میری گہری عقیدت ہوگئی۔ اُن کے خیالات سن کر میرا دل کہتا کہ جا ایں جاست! میری محکمانہ ترقی ہوئی تو مجھے شیخوپورہ کے ایک گاؤں میں تعینات کیا گیا۔ میں وہاں چلا گیا' مگر ڈاکٹر صاحب کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقعہ ختم ہوگیا۔ میں دعا کرتا کہ میرا تبادلہ لاہور میں ہو جائے۔ اس سلسلہ میں میں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر ڈاکٹر صاحب کو خط لکھ دیا کہ وہ میرا تبادلہ لاہور کروانے کی کوشش کریں تاکہ مجھے پھر سے آپ سے استفادہ کرنے کا موقعہ مل سکے' مگر ڈاکٹر صاحب اس معاملے میں بے نیاز تھے۔ بہرحال ایک وقت ایسا آیا کہ میرا تبادلہ لاہور ہوگیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا انتہائی کرم یہ ہوا کہ مجھے ماڈل ٹاؤن کے قریب جوہر ٹاؤن میں اپنا ذاتی مکان مل گیا۔ میں یہاں منتقل ہوگیا اور ڈاکٹر صاحب کی صحبت سے فائدہ اٹھانے اور آپ کے

درسِ قرآن کے سامعین میں شامل ہونے کا موقعہ مل گیا۔ میں کچھ مضامین لکھتا جو عام طور پر عقائد اور اصلاحِ اخلاق سے متعلق ہوتے۔ یہ مضامین ماہ نامہ میثاق میں شائع ہوتے رہتے۔ بعدازاں وہ مضامین ''انوارِ ہدایت'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو گئے' جس کا دیباچہ محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ نے تحریر کیا۔ میثاق میں میرے مضامین کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے اور اب تک ''انوارِ ہدایت'' (حصہ دوم) کا مواد جمع ہو چکا ہے۔

میں نے دو دفعہ ڈاکٹر صاحب کو اپنے گھر کھانے پر بلایا۔ آپ نے دونوں دفعہ میری خواہش کو پذیرائی بخشی اور اپنے صاحبزادوں سمیت میرے ہاں تشریف لائے۔ جس ہفتے آپ کا انتقال ہوا اُن دنوں پھر اُن کا میرے ہاں پروگرام تھا' مگر ہوتا تو وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے درس کا آغاز ۱۹۶۶ء میں کیا' جو بعدازاں بہت مقبول ہوا اور لاہور میں آپ کئی جگہ درسِ قرآن دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں آپ کے درسِ قرآن کو بہت پذیرائی ملی اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ نے پاکستان کے چھوٹے بڑے شہروں کے سفر کیے اور قرآن کے درس دیئے۔ پاکستان سے باہر بھی آپ کو بلایا جاتا جہاں آپ کمزور صحت کے باوجود لمبے سفر کرتے۔ امریکہ میں تو آپ کے لیکچرز کا خصوصی اہتمام ہوتا۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک عالم اسلام کے ایک منفرد مقرر' خطیب اور مناظر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو عجیب قسم کا حافظہ عطا کیا ہے۔ قرآن کی اکثر آیات کا وہ آیت نمبر بتا کر حوالہ دیتے ہیں۔ قرآن کے علاوہ دیگر الہامی اور غیر الہامی کتب کے اقتباسات اُن کو یاد ہیں۔ دنیا بھر کے لوگوں میں قرآن کی حقانیت ثابت کرنا اور پھیلانا اُن کا مشن ہے۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک ڈاکٹر اسرار احمد کے خطیبانہ انداز اور قرآن فہمی سے بڑے متاثر تھے۔ ڈاکٹر صاحب ان کی دعوت پر بھارت گئے' جہاں ڈاکٹر ذاکر نائیک نے بے تحاشا اخراجات کر کے جدید وسائل مہیا کیے اور ڈاکٹر صاحب کے دروس کا بڑے پیمانے پر اہتمام کیا۔ ان دروس میں لاکھوں لوگوں نے شرکت کی' جن میں مسلمانوں کے علاوہ لاتعداد غیر مسلم بھی ہوتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے یہ شہرۂ آفاق دروس cassettes میں محفوظ ہیں اور ان میں سے بعض کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کے نام سے ایک انقلابی جماعت کی بنیاد رکھی جس کا مقصد قرآن حکیم کی تعلیمات عام کرنے کے علاوہ نظامِ خلافت کے قیام کی جدوجہد

ہے۔ اس سلسلہ میں اُن کی کوشش کامیابی سے ہم کنار ہوئی اور اب اس جماعت کے رفقاء و احباب پاکستان اور بیرون پاکستان لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ جنرل ضیاء الحق نیک آدمی تھا مگر وہ اقتدار کے دھوکے میں آ گیا۔ اُس نے ڈاکٹر صاحب کو مجلس شوریٰ میں شمولیت کی پیشکش کی۔ ڈاکٹر صاحب کے بعض احباب نے انہیں یہ پیشکش قبول نہ کرنے کا مشورہ دیا مگر آپ کا کہنا تھا اگر کوئی اچھے کام کی طرف بلائے تو بدظنی کرتے ہوئے اُسے قبول نہ کرنا درست نہیں۔ ان کا موقف تھا کہ میں حکومت وقت کو اچھے کاموں کا مشورہ منبر سے بھی تو دیتا ہوں' اگر اس کے لیے کوئی باقاعدہ فورم میسر آ رہا ہے تو اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب مجلس شوریٰ میں شریک ہوئے مگر چند ماہ کے بعد ہی مستعفی ہو گئے کہ جب شرعی مشورے لیے جائیں مگر قبول نہ کیے جائیں تو ایسی مجلس میں شمولیت نرا وقت کا ضیاع ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا ایک ہر دل عزیز پروگرام ''الہدیٰ'' کے نام سے ٹیلیویژن سے نشر ہوتا تھا۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے قرآن حکیم کی روشنی میں ستر وحجاب اور بے پردگی کے سلسلہ میں اسلامی احکام کی وضاحت کی تو مغرب زدہ خواتین جن کو اسلامی تعلیمات کا کوئی احترام نہ تھا' نے احتجاج کیا اور یہ ہر دل عزیز پروگرام ختم کر دیا گیا۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ شادی بیاہ کی ایسی کوئی دعوت قبول نہ کرتے جس میں اسلامی تعلیمات کے برخلاف ہندوانہ رسم ورواج پر عمل کیا جاتا۔ جہیز اور بارات کو وہ خلافِ اسلام سمجھتے تھے۔ وہ ہر کام میں اسلامی سادگی ہی کو پسند کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے بیٹیوں کی شادیاں سادگی کے ساتھ اسلامی تعلیمات کے مطابق انجام دیں۔ آپ نکاح کی تقریب مسجد میں پسند کرتے تھے' تاکہ نکاح پاکیزہ ماحول میں ہو اور اسی مقدس ماحول میں اس نکاح کی کامیابی کی دعا کی جائے۔ آپ نے نکاح کی مجلس مسجد میں منعقد کرنے کی سنت کو رواج دیا۔ آپ لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کو بہت بُرا جانتے تھے۔ لڑکے کی شادی میں دعوتِ ولیمہ کا انتظام کرنا عین سنت ہے' چنانچہ وہ اس پر کاربند تھے۔ ڈاکٹر صاحب راقم آثم کی عزت افزائی کرتے تھے۔ حافظ عاکف سعید صاحب کے ولیمے میں مجھے بھی دعوت دی۔ یہ ان کی عظمت کا مظہر ہے' ورنہ میں کہاں اور ڈاکٹر صاحب کہاں! یہ وہی شادی ہے جو ۸ محرم الحرام کو منعقد ہوئی اور مخصوص لوگوں نے اس پر سخت احتجاج کیا۔ مگر جب ڈاکٹر صاحب کی طرف سے وضاحت کی گئی تو اُن کے علماء نے اعتراف کیا کہ ان دنوں شادی ممنوع نہیں مگر نامناسب ہے۔ اس خاندان کے

الطافِ کریمانہ ہیں کہ عاکف سعید صاحب کے صاحبزادے حسین عاکف اسرار کی شادی ہوئی تو اُن کے ولیمے میں بھی میں مدعو تھا۔

ڈاکٹر صاحب ''محاضراتِ قرآنی'' کا انعقاد کراتے جو عام طور پر جناح ہال لاہور میں ہوتے۔ ان محاضرات میں ڈاکٹر صاحب ان علماء کو بھی اظہارِ خیال کی دعوت دیتے جو آپ کے بعض نظریات سے متفق نہیں ہوتے تھے۔ دوست احباب نے مشورہ بھی دیا کہ ان لوگوں کو ان محاضرات میں نہیں بلانا چاہیے' مگر ڈاکٹر صاحب کا جواب تھا کہ حاضرین اُن کی باتیں بالمشافہ سنیں تو بہتر ہے کہ وہ صحیح اور غلط کو سمجھ سکیں۔ عرصہ تک ڈاکٹر صاحب مسجد شہداء میں درسِ قرآن دیتے رہے۔ یہ درس منفرد نوعیت کا ہوتا تھا جس کا دورانیہ ڈھائی گھنٹے کا ہوتا تھا۔ یہ تفصیلی درس عالمانہ معلومات پر مشتمل ہوتا۔ قرآنی الفاظ کا مفہوم اور مطلب آپ اس دل کشی اور صحت کے ساتھ بیان کرتے کہ سامعین ہمہ تن توجہ کے ساتھ سنتے اور کوئی شخص بھی اکتا کر مجمع سے نہ نکلتا۔ مسجد دارالسلام باغ جناح میں آپ کا خطابِ جمعہ برسوں چلتا رہا۔ جب آپ پر علالت اور کمزوری کا غلبہ ہوا تو معذرت کر دی اور آپ کی طرف سے کوئی اور صاحب وہاں خطبہ دیتے۔ آپ کا یہ خطاب جمعہ اس قدر مؤثر' دلکش اور مستند معلومات پر مشتمل ہوتا تھا کہ لوگ دور و نزدیک سے جوق در جوق مسجد میں اکٹھے ہوتے اور آغازِ خطاب سے قبل ہی مسجد کا ہال اور صحن کا کافی حصہ سامعین سے بھر جاتا۔ رمضان المبارک کی راتوں میں آپ تراویح کی نماز کے دوران پڑھی جانے والی آیات کا ترجمہ اور تشریح بیان کرتے۔ اس طرح تراویح کی نماز کا دورانیہ آدھی رات سے بھی زیادہ ہو جاتا۔ آپ کے اس پروگرام میں شرکت کے لیے دور و نزدیک سے شائقین آتے۔ آپ کا یہ پروگرام اس قدر مقبول ہوا کہ دوسری مساجد میں بھی اس کا اہتمام ہونے لگا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ رمضان المبارک میں ''دورۂ ترجمہ قرآن'' لاہور کی درجنوں مساجد میں ہو رہا ہے۔ لاہور کے علاوہ یہ دورۂ ترجمہ قرآن کراچی اور دوسرے چھوٹے بڑے شہروں کی کئی مساجد میں ہو رہا ہے۔

۱۹۹۷ء میں نواز شریف کو انتخابات میں عدیم النظیر کامیابی ملی۔ وہ اپنے والد محمد شریف اور بھائی شہباز شریف کے ساتھ ڈاکٹر صاحب سے ملنے قرآن اکیڈمی آئے۔ دورانِ گفتگو ڈاکٹر صاحب نے نواز شریف سے کہا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے انتخابات میں کامیابی دی اور اقتدار سے نوازا۔ یہ آپ کا بہت بڑا امتحان ہے۔ دوسری باتوں کے علاوہ آپ نے نواز

شریف سے پرزور مطالبہ کیا کہ ملک سے سود کی لعنت کو ختم کیا جائے۔ نواز شریف کا کہنا تھا کہ ٹھیک ہے' میں ایک سال تک سود ختم کر دوں گا۔ اُن کے والد میاں شریف بولے کہ ایک سال کیوں' صرف چھ ماہ میں ختم کرو! لیکن ع ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!'' اب نواز شریف کے اقتدار کی تیسری باری ہے مگر سود ہے کہ سود مرکب کی طرف بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن کی عمارت کے ایک چھوٹے سے گھر میں رہتے تھے۔ اُن کی زندگی سادگی کی علامت تھی۔ اُن کے پاس تھوڑے سے کپڑے اور تین واسکٹیں تھیں جن کو بدل بدل کر پہن لیتے تھے۔ انجمن خدام القرآن کی طرف سے انہیں صرف رہائش' علاج معالجہ اور آمد و رفت کی سہولیات میسر تھیں۔ وہ اپنے کام کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے۔ ان کا موقف تھا کہ دین کی دعوت و تبلیغ اور نشر و اشاعت ہمارا فرض ہے' اس پر معاوضہ لینا جائز نہیں۔ اُن کی بے شمار cassettes اور بیسیوں کتابیں ہیں' مگر ان کی آمدنی پر وہ کوئی رائیلٹی نہیں لیتے تھے' بلکہ اُن کا منافع انجمن کے کھاتے میں جاتا تھا اور اب بھی جاتا ہے' ان کے بیٹوں کو بھی اس آمدنی کے ساتھ کچھ سروکار نہیں۔

ڈاکٹر صاحب علامہ اقبال کی شخصیت سے بہت متاثر تھے۔ وہ اقبال کو ''ترجمان القرآن'' اور ''مبشر پاکستان'' کہتے تھے۔ وہ کہتے تھے پاکستان کا نظریہ اقبال ہی کا دیا ہوا ہے تاکہ برصغیر کے مسلمانوں کو ایسا خطہ زمین ملے جہاں وہ اسلامی شریعت کا نفاذ کر سکیں۔ جناح صاحب تو برصغیر کی سیادت سے بددل ہو کر انگلستان چلے گئے تھے۔ علامہ سر محمد اقبال نے اُن کو یہاں بلایا اور اُنہوں نے قائداعظم بن کر برصغیر کے مسلمانوں کو انگریزوں سے آزادی دلائی۔ ڈاکٹر صاحب کو اقبال شناسی میں ایک مقام حاصل ہے۔ آپ علامہ اقبال کے اشعار موقعہ کی مناسبت سے بیان کرتے تھے۔ علامہ اقبال کو امتِ مسلمہ کا حُدی خواں کہتے تھے۔ یہ اشعار اکثر اُن کی زبان پر ہوتے ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری!

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

وہ معزّز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر!

گر تو می خواہی مسلماں زیستم
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستم

وقتِ فرصت ہے کہاں' کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے!

اقبال کی نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' ڈاکٹر صاحب کی دل پسند نظم تھی جس کی تشریح میں وہ بتاتے تھے کہ ابلیس کس طرح امت مسلمہ کے زوال کا خواہاں ہے اور وہ کس طرح اُن شیاطین کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو مسلمانوں میں انتشار پھیلاتے ہیں اور اُن کی گمراہی کا باعث بنتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ۲۰۰۲ء میں جب تنظیم اسلامی کی امارت چھوڑی تو ان کے بعد ان کے خلف الرشید حافظ عاکف سعید تنظیم کے امیر مقرر ہوئے۔ اگرچہ ضابطے کے مطابق ارکان تنظیم اس بات کے پابند تھے کہ وہ امیر تنظیم کا فیصلہ بخوشی قبول کریں' تاہم ڈاکٹر صاحب نے اس ضمن میں تنظیم کی مجلس شوریٰ اور رفقاء کے کئی اجلاس بلائے اور طویل مشاورت کے بعد حافظ عاکف سعید صاحب کو امیر تنظیم اسلامی مقرر کیا۔

ڈاکٹر صاحب کا پورا خاندان نیک سیرت' خدا پرست اور اسلامی انقلاب کا خواہاں ہے۔ اسلامی تعلیمات میں ان کی دلچسپی اُن کے اعمال سے ظاہر ہے۔ چاروں بیٹے آپ کے مشن میں آپ کے دست و بازو بنے اور آپ کی وفات کے بعد انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی میں فعال ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں اور ڈاکٹر صاحب کے مشن کو پوری استعداد کے ساتھ آگے بڑھا رہے ہیں۔ قرآن مجید میں تفکر و تدبر ڈاکٹر صاحب کی سرشت میں تھا۔ دروسِ قرآن کے ذریعے انہوں نے لاتعداد تعلیم یافتہ لوگوں کو فہمِ قرآن کی راہ پر لگایا۔

۲۰۰۱ء میں میری ریٹائرمنٹ ہونے والی تھی۔ حافظ عاکف سعید صاحب نے مجھ سے

وعدہ لے لیا کہ ریٹائرمنٹ کے بعد میں قرآن اکیڈمی کے سٹاف میں شامل ہو جاؤں۔ میرے لیے یہ بہت بڑا اعزاز تھا' چنانچہ میں اکیڈمی میں خدمات انجام دینے لگا۔ اوّل اوّل مجھے معمولی سا مشاہرہ ملتا رہا' مگر جلد ہی میں بلا معاوضہ کام کرنے لگا اور آج تک کر رہا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب اپنی صحت کے بارے میں محتاط نہ تھے۔ اُن کا انگ انگ بیمار تھا مگر وہ استقامت کا پہاڑ تھے۔ انجمن' تنظیم اور درس قرآن کے سلسلہ میں وہ اندرون ملک اور بیرون ملک لمبے سفر کرتے۔ جہاں انہوں نے ضرورت محسوس کی وہاں جانے کے لیے تیار ہو گئے اور جہاں سے انہیں درس قرآن کی دعوت ملی انہوں نے قبول کی۔ ان کو فعال دیکھ کر لوگ یہی سمجھتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب صحت مند ہیں' مگر اُن کے قریبی ساتھی اور اہل خاندان جانتے تھے کہ وہ مجموعۂ اسقام ہیں۔ وہ اپنے لیے زیادہ غذائی پرہیز کے قائل نہ تھے۔ ڈاکٹر صاحب صبر و استقامت کے ساتھ اپنے مشن میں لگے رہے اور علالت کی پروا نہ کی۔ آخری دم تک اَن تھک محنت کرتے رہے۔ وفات سے تین دن قبل فیصل آباد میں تنظیم اسلامی کی مرکزی شوریٰ کا اجلاس تھا' اس میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے اور فرمایا شاید میں آپ سے آخری ملاقات کے لیے آیا ہوں۔ میرا پیغام یہ ہے کہ اس ظالمانہ نظام کے خلاف اپنے جذبات کو سرد نہ ہونے دینا اور دین حق کی سربلندی کے لیے اپنی جدوجہد کو تیز تر کرنا۔ موت ایک قطعی اور اٹل حقیقت ہے ع ''جب احمدِ مرسلؐ نہ رہے کون رہے گا!''

۱۳/اپریل کو عشاء کی نماز کے بعد آپ کو تیز بخار تھا۔ بڑے بیٹے ڈاکٹر عارف رشید نے ہسپتال لے جانے کو کہا تو آپ نے انکار کیا اور چارپائی پر دراز ہو گئے۔ رات کے تیسرے پہر آپ کے خادم عبدالغفور نے دیکھا کہ آپ چارپائی پر بے حس ہیں۔ ڈاکٹر عارف رشید کو بلایا' وہ آئے۔ دیکھا تو آپ رحلت فرما چکے تھے۔ ۱۴/اپریل ۲۰۱۰ء کو علی الصبح ٹیلیویژن پر ڈاکٹر صاحب کی رحلت کی خبر نشر ہوئی' مجھے میرے بھائی نے ٹیلیفون پر یہ خبر بتائی۔ میں تو گم سم ہو گیا۔ اُسی وقت قرآن اکیڈمی پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب کی چارپائی کمرے میں پڑی تھی۔ آنسو بہاتے ہوئے میں نے اُن کو دیکھا۔ چہرے پر نہ تھکاوٹ کے آثار تھے نہ بیماری کے' بلکہ چہرے سے اُن کا روایتی رعب و جلال اور وقار جھلک رہا تھا۔ میں نے جی بھر کر ڈاکٹر صاحب کی زیارت کی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب پر وفات طاری نہیں ہوئی بلکہ وہ گہری اور خوشگوار نیند میں ہیں۔ اُنہیں دیکھ کر علامہ اقبال کا شعر یاد آیا جو حسب حال تھا۔ ؎ (باقی صفحہ 62 پر)

دینِ اسلام بطور اصلاحی انقلاب

مسز بینا حسین خالدی

قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ دین اسلام کی جو شان بیان کرتے ہیں اُس کے مطابق دین اسلام عالمگیر اصلاح کا انقلابی منصوبہ ہے۔ اس منصوبے کو نافذ العمل کروانے کے مقصد کے پیش نظر انبیاء ورُسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔ اس منصوبے کی پالیسی اور لائحہ عمل وضع کرنے کے لیے قرآن حکیم میں نکات بیان فرمائے گئے ہیں۔ سورۃ التوبہ میں اس منصوبے کی پالیسیاں زیادہ واضح طور پر بیان کی گئی ہیں۔ سورۃ التوبہ اپنے مضامین و مسائل کے لحاظ سے انتہائی پُرحکمت سورت ہے جس میں فرد کی اصلاح' اسلامی معاشرے کی اصلاح اور دنیائے عالم کی اصلاح کے لیے اہلِ ایمان کو ایک جامع حکمت عملی سے نوازا گیا ہے۔ انسانیت کی سب سے بڑی فلاح اس کی اصلاح میں ہی مضمر ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ (المائدۃ:٦٦)

''اور اگر یہ (اہلِ کتاب) قائم کرتے تورات اور انجیل کو اور اس کو جو کچھ نازل کیا گیا تھا ان پر ان کے رب کی طرف سے تو یہ کھاتے اپنے اوپر سے بھی اور اپنے قدموں کے نیچے سے بھی۔''

یعنی اصلاح کے ثمرات انسانیت کو زمین پر بھی ملتے اور رزق (جس میں تمام قسم کی نعمتیں شامل ہیں) کی فراوانی سے لوگ آسودگی حاصل کرتے۔ فلاح کے تمام منصوبے اس وقت ناکام ہو جاتے ہیں جب ان منصوبوں سے فائدے اٹھانے والے لوگ اخلاقی اقدار سے محروم' دینی قواعد وضوابط سے آزاد اور انسانیت کے سنہری اصولوں سے ناواقف رہتے ہوں۔ آپ عوام الناس کی فلاح کی نیت سے' کسی چوراہے پر پانی کا نلکا لگوا کر دیکھئے' اس نلکے کے پانی کو استعمال کرنے اور اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لیے صبح وشام لوگوں کی بھیڑ لگی رہے گی۔ کچھ لوگ جو زیادہ زورآور ہوں گے ان کی موجودگی میں دوسرے لوگ کم ہی اس سہولت

سے فائدہ اٹھا پائیں گے' اور کچھ لوگ ''مالِ مفت دِل بے رحم'' کے مصداق پانی کا بے جا تصرف کرتے نظر آئیں گے۔ اور پانی جیسی بنیادی ضرورت سے محروم لوگ جب تک اس فی سبیل اللہ سہولت تک پہنچ پائیں گے اس وقت تک اس پر یا تو زورآور قبضہ کر چکے ہوں گے یا یہ سہولت ضائع ہو چکی ہوگی۔ ''ظلم رہے اور امن بھی ہو!'' یہ دونوں صورتیں ایک ساتھ ممکن نہیں ہیں۔ زورآوروں اور سرکشوں کو روئے زمین پر ظلم وفساد سے روکنے کے لیے' ان کو لگام ڈال کر رکھنا از حد ضروری ہو جاتا ہے۔ فتح مکہ کے بعد سرزمین عرب میں اسلام کا مشن پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ نبی برحق حضرت محمد ﷺ نے جس اسلامی معاشرے کی تشکیل فرمائی تھی' اب اس کو بیرونی دنیا کے غیر مسلم تہذیب وتمدن اور نظریاتِ باطلہ کے غلبے سے بچانا بھی ضروری تھا۔

شام اور ایران کی عیسائی ریاستوں کی طرف دعوتِ دین کے لیے اہلِ ایمان کے وفود بھیجے گئے' لیکن قبولِ حق کے بجائے انکارِ حق کا جواب موصول ہوا اور وہ بھی ایسی سرکشی کے ساتھ کہ اہلِ ایمان کے وفود کے اراکین اور رؤساء کو قتل کروا دیا گیا۔ اسی زمانے میں حضور ﷺ نے بصرہ کے رئیس شرحبیل بن عمرو کے نام بھی دعوتِ اسلام کا پیغام بھیجا تھا مگر اُس نے آپؐ کے ایلچی حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو قتل کروا دیا۔ یہ رئیس بھی عیسائی تھا اور براہ راست قیصر روم کے احکامات کا تابع تھا۔ ایسے واقعات کی سرکوبی کے لیے تین ہزار سرفروشانِ اسلام کا لشکر موتہ کے مقام پر شرحبیل بن عمرو کی ایک لاکھ فوج سے جا ٹکرایا' اور پورا عرب اور شرقِ اوسط یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک اور ۳۳ کے مقابلے میں بھی کفار مسلمانوں پر غالب نہ آ سکے۔ یہی چیز تھی جس نے شام اور اس سے متصل رہنے والے نیم آزاد عربی قبائل بلکہ عراق کے قریب رہنے والے نجدی قبائل کو بھی' جو کسریٰ کے زیر اثر تھے' اسلام کی طرف متوجہ کر دیا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہو گئے' اور اس کے بعد عالمگیر اصلاحی مشن (دین اسلام) کے لیے کامیابی کے نئے باب کھلتے چلے گئے۔ اس کے دو ہی سال بعد غزوۂ تبوک میں مسلمانوں کو اخلاقی فتح حاصل ہوئی۔ سورۃ التوبہ میں حکم ربانی نازل ہوتا ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٢٩﴾﴾

''جنگ کرو اہلِ کتاب میں سے اُن لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں

لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے‘ (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔‘‘

اس فرمانِ ربانی کی حکمت یہ تھی کہ عرب کے باہر دین حق کا دائرۂ اثر پھیلایا جائے۔ مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ عرب کے باہر جو لوگ دین حق کے پیرو نہیں ہیں ان کی خودمختارانہ فرماں روائی کو بزورِ شمشیر ختم کر دو‘ تا آنکہ وہ اسلامی اقتدار کے تابع ہو کر رہنا قبول کر لیں‘ لیکن ان کو یہ حق نہیں ہے کہ خدا کی زمین پر اپنا حکم جاری کریں اور انسانی معاشروں کی زمامِ کار اپنے ہاتھ میں رکھ کر اپنی گمراہیوں کو خلق خدا پر اور ان کی آنی والی نسلوں پر زبردستی مسلط کرتے رہیں۔ زیادہ سے زیادہ جس آزادی کے استعمال کا انہیں حق دیا جا سکتا ہے وہ بس اس حد تک ہے کہ وہ خود گمراہ رہنا چاہتے ہیں تو رہیں‘ بشرطیکہ جزیہ دے کر اسلامی اقتدار کے تابع اور مطیع بنے رہیں۔

منافقین کے معاملے میں بھی اب سختی کی پالیسی اختیار کی گئی اور غزوۂ تبوک کی تیاری کے زمانے میں مسجد ضرار کو ڈھانے اور جلانے کا حکم دیا گیا:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ﴾ (آیت ۷۳)

’’اے نبی (ﷺ)! کفار و منافقین دونوں کا پوری قوت سے مقابلہ کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔‘‘

انفرادی اصلاح کے ضمن میں اہلِ ایمان کے ضعف ایمان کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ ضعفِ ایمان کو اسلامی جماعت کے لیے سب سے بڑا اندرونی خطرہ قرار دیا گیا‘ اور آئندہ کے لیے یہ بات واضح کر دی گئی کہ اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد اور کفر و اسلام کی کش مکش ہی وہ اصل کسوٹی ہے جس پر مؤمن کا دعوائے ایمان پرکھا جائے گا اور جو اس آویزش میں اسلام کے لیے جان و مال اور وقت و محنت صرف کرنے سے جی چرائے گا اس کا ایمان معتبر ہی نہ ہوگا اور اس پہلو کی کسر کسی اور مذہبی عمل سے پوری نہ ہو سکے گی۔ (تفہیم القرآن‘ جلد دوم‘ از مولانا مودودیؒ)

یہ وہ اصلاحی پالیسیاں تھیں جن کو نبی محترم حضرت محمد ﷺ نے اختیار فرمایا اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپؐ کے حکم کی تعمیل میں ان معاملات میں نظم و ضبط کی اعلیٰ مثال قائم فرمائی۔ ان پالیسیوں میں جہاں سرکشوں اور منافقوں کے ساتھ سختی سے پیش آنے کی پالیسی پر پورے نظم و ضبط کے ساتھ عمل درآمد کیا گیا‘ وہاں مؤمنین کے ضعفِ ایمان اور ادائے فرض میں

تساہل کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا‘ بلکہ انہیں بھی مجرم ٹھہرا کر معاشرتی مقاطعہ بندی کی گئی۔ سورۃ التوبہ ہی میں حضرت کعب بن مالک‘ ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم کا واقعہ امت مسلمہ کی اصلاح کے ضمن میں مشعل راہ ہے۔ حضرت کعب بن مالکؓ نے یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے‘ جس کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کی تیاری کے موقع پر جب نبی ﷺ نے مسلمانوں سے شرکت جنگ کی اپیل کی تو میں روزانہ دل میں ارادہ کر لیتا تھا کہ چلنے کی تیاری کروں گا مگر واپس آ کر سستی کر جاتا تھا‘ یہاں تک کہ وقت نکل گیا۔ جب نبی ﷺ غزوہ سے واپس آئے تو مجھ سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے شرکتِ جنگ سے روکا تھا؟ تو میں نے کہا کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے (جبکہ منافقین اس وقت اپنے اپنے عزرات پیش کر رہے تھے) جسے پیش کر سکوں‘ میں جانے پر پوری طرح قادر تھا‘‘۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: ’’یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی‘ اچھا اٹھ جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تمہارے معاملے میں کوئی فیصلہ کرے۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے عام حکم دے دیا کہ ہم تینوں آدمیوں سے کوئی سلام کلام نہ کرے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سرزمین بالکل بدل گئی ہے‘ میں یہاں اجنبی ہوں اور اس بستی میں میرا کوئی واقف نہیں۔ مسجد میں نماز کے لیے جاتا تو حسبِ معمول نبی ﷺ کو سلام کرتا مگر بس انتظار ہی کرتا رہ جاتا کہ جواب کے لیے آپؐ کے ہونٹ جنبش کریں۔ چالیس دن کے بعد نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اپنی بیوی سے بھی علیحدہ رہو۔ میں نے پوچھا: کیا طلاق دے دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں‘ بس علیحدہ رہو۔ میں نے بیوی کو میکے بھیج دیا۔ پچاسویں دن صبح کی نماز کے بعد جب میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا تھا اور اپنی جان سے بیزار ہو رہا تھا کہ یکایک ایک شخص نے پکار کر کہا مبارک ہو کعب بن مالک! میں سنتے ہی سجدے میں گر گیا اور میں نے جان لیا کہ میری معافی کا حکم ہو گیا ہے۔ پھر تو فوج در فوج لوگ بھاگے چلے آ رہے تھے اور مجھے مبارکباد دے رہے تھے۔ یہ واقعہ اس اسلامی معاشرے کی روح کو عیاں کرتا ہے جس میں ادائے فرض میں تساہل کو بھی سنگین جرم قرار دے کر اصلاحی سزا دی گئی۔ اور اہلِ ایمان کی جماعت نے اپنے امیر کے حکم کی تعمیل میں ایسی فضا قائم کر دی کہ ’’مجرمین‘‘ اپنی جانوں سے بیزار ہونے لگے‘ اور ان کے دلوں میں یہ احساس جاگزیں کروا دیا گیا: ﴿اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَیْهِ ؕ﴾ (آیت ۱۱۸) ’’کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ کے دامن کے سوا نہیں ہے‘‘۔

نہی عن المنکر کی یہ اسپرٹ (spirit) آج کے اسلامی معاشروں میں کہیں دیکھنے یا سننے

کونہیں ملتی‘ کیونکہ ہمارے اسلامی معاشرے اصلاحی معاشرے نہیں ہیں۔ مجرموں کو رجوع الی اللہ کی طرف لے جانے کے بجائے آج ہمارا اسلامی معاشرہ ’’نیکی برباد گناہ لازم‘‘ کر دینے والا معاشرہ بن چکا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سی دینی جماعتیں اور اصلاحی تحریکیں بھی اس امر پر کاربند نظر آتی ہیں کہ دین اسلام کے معروفات کی اشاعت وتبلیغ کرتے رہیں‘ معروفات جان کر لوگ منکرات سے خود ہی تائب ہو جائیں گے۔ زیر نظر واقعے پر غور فرمائیں۔ مؤمنین صادقین جنہوں نے ہر غزوے میں نبی مکرم ﷺ کا ساتھ دیا تھا‘ ادائے فرض میں تساہل کے جرم میں اسلامی معاشرے کی طرف سے مقاطعہ بندی کی صورت میں سخت مذمت کا سامنا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں‘ یہاں تک کہ کوئی ان کے سلام کا جواب تک دینا گوارا نہیں کرتا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں حرام خوروں‘ سود خوروں‘ شرابیوں اور زانیوں کو سزا دینا تو درکنار‘ ان کے جرائم سے چشم پوشی کی جاتی ہے‘ ملامت کی کوئی نگاہ‘ مذمت کا کوئی لفظ مجرمین کو احساسِ گناہ دلانے کے لیے ادا نہیں کیا جاتا۔ نبی برحق حضرت محمد ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ بنی اسرائیل میں جو اوّلین نقص پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کو برائیوں کے ارتکاب سے نہیں روکتے تھے۔ ان میں سے دو شخص جب آپس میں ملتے تھے تو پہلا آدمی دوسرے سے کہتا تھا کہ اے فلاں! برائی کے ارتکاب سے باز آ جاؤ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اگلے روز جب اس شخص کی دوسرے سے ملاقات ہوتی تھی تو پہلے شخص کو برائی پر قائم پاتا تھا۔ لیکن یہ چیز مانع نہ ہوتی تھی اس پہلے شخص کے راستے میں کہ وہ دوسرے کا (برائی پر قائم رہنے والے سے) ہم پیالہ‘ ہم نوالہ اور ہم نشیں بنے۔

سورۃ المائدہ میں بنی اسرائیل کی اسی حالت کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ان میں سے جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ان پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) کی زبان سے لعنت کی گئی۔ اور اس لعنت کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی:

﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۹﴾

’’وہ ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے ان برائیوں سے جو وہ کرتے تھے۔ بہت ہی برا طرزِ عمل ہے جس پر وہ کاربند تھے۔‘‘

چنانچہ نبی رحمت حضرت محمد ﷺ نے مسلمانوں کو تاکیدی حکم ارشاد فرمایا:

((كَلَّا وَاللّٰهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَأْخُذُنَّ عَلٰى يَدِ

الظَّالِمِ وَلَتَأْطِرُنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا وَلَتَقْصُرُنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا اَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللّٰهُ بِقُلُوْبِ بَعْضِكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ثُمَّ لَيَلْعَنُكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ))

’’ہرگز نہیں‘ اللہ کی قسم تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہوگا اور تمہیں لازماً برائی سے روکنا ہوگا‘ اور تمہیں لازماً ظالم کے ہاتھ کو قوت کے ساتھ پکڑ لینا ہوگا اور تمہیں اُس کو لازماً حق کی طرف جبراً موڑنا ہوگا اور اسے حق کے اوپر قائم رکھنا ہوگا۔ یا پھر اللہ تعالیٰ تمہارے دل بھی ایک دوسرے کے مشابہ کر دے گا (یعنی تمہارے دلوں پر بھی وہی فاسقانہ رنگ چڑھ جائے گا۔) پھر اللہ تعالیٰ تم پر بھی لعنت فرمائے گا جیسے ان (یہود) پر لعنت فرمائی۔‘‘

خدائے بزرگ و برتر ہم سب کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی طرف رغبت دلائے۔ (آمین!)

❁❁❁

بقیہ: ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے ساتھ میری رفاقت

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب او است!

اُسی روز بعد نمازِ عصر سنٹرل ماڈل ٹاؤن پارک میں ڈاکٹر صاحب کا جنازہ ہوا۔ مقامی اور دور دراز سے آئے ہوئے لوگ ڈاکٹر صاحب کا چہرہ دیکھنے کے مشتاق تھے‘ لیکن جمِ غفیر کا یہ عالم تھا کہ جنازے کے بعد یہ ممکن نہ رہا کہ میت کو دیدار کے لیے رکھا جائے۔ چنانچہ قریبی قبرستان میں آپ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کا جنازہ لاہور سے اٹھنے والے چند پر ہجوم جنازوں میں سے ایک تھا۔ آپ کی ساری زندگی قرآن مجید کی تعلیم وتبلیغ میں گزری۔ آپ نے اپنی حیاتِ مستعار سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ دل کی گہرائی سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی خطاؤں سے درگزر فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین!

[اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَاَدْخِلْهُ فِيْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْهُ حِسَابًا يَّسِيْرًا]

❁❁❁

میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

اسلامی اخلاقیات

فرید بن مسعود ☆

مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کیا یہ کام صحیح ہے یا غلط؟ کیا وہ عمل خیر تھا یا شر؟ ایسے سوالات کا روزمرہ زندگی میں ہمیں سامنا رہتا ہے۔ چوں کہ فلسفہ نام ہی سوالات اٹھانے کا ہے' اس لیے اس قسم کے سوالات کے لیے فلسفے کی ایک شاخ 'اخلاقیات' کے نام سے وجود میں آئی۔ فلسفے کی اس شاخ میں ہم اَفعال وحوادث پر نگاہ ڈالتے ہیں اور اس کے بارے میں سوالات اٹھاتے ہیں کہ آیا وہ صحیح ہیں یا غلط؟ حق ہیں یا باطل؟ خیر ہیں یا شر؟ فلسفے کی اس شاخ کو انگریزی زبان میں Ethics کہا جاتا ہے۔

چوں کہ یورپ میں نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) کے بعد وہاں کے حکماء نے اپنا رشتہ ہر قسم کے مذہب اور ہر طرح کی اتھارٹی سے کاٹ لیا تھا' اس لیے انہوں نے خود اپنی عقل کے ذریعے سے اس کا فیصلہ کرنے کی کوشش کی کہ کس طریقے سے ہم اپنی زندگی کا لائحہ عمل ترتیب دیں اور اپنے لیے صحیح و غلط کا فیصلہ کریں۔ ان تمام کوششوں کو لبرل اخلاقیات (Liberal Ethics) کہا جاتا ہے۔ لبرل اخلاقیات کے ضمن میں آج کے دور میں دو قسم کے مکاتبِ فکر غالب ہیں: ایک Utilitarianism اور دوسرا Deontological Ethics۔

Utilitarianism کا بانی جرمی بینتھم (Jeremy Bentham) ہے۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ:

"Nature has placed mankind under the governance of two sovereign masters, pain and pleasure."[1]

☆ متعلّم' قرآن اکیڈمی یاسین آباد' کراچی

1. Bentham, J, An Introduction to the Principles of Morals and Legislation, Chapter 1, (1789; 1907), "Oxford Clarendon Press".

''قدرت نے انسان کو دو خودمختار قوئ کے ماتحت رکھا ہے' اور وہ ہیں تکلیف اور خوشی (لذت)۔''

اس خود ساختہ اصول کے تحت اس نے یہ طے کیا کہ good (خیر) وہ ہے جس میں زیادہ لذت ہو اور bad (شر) وہ ہے جس میں تکلیف زیادہ ہو۔ اسی مکتب فکر میں 'جان سٹورٹ مل' نے بھی بعد میں کام کیا' اور اس کو زیادہ سے زیادہ ''بہتر'' بنانے کی کوشش کی۔ اس مکتبِ فکر کا خیر و شر کے تعین کا بنیادی اصول ہے:

"Greatest good for the greatest number ."[2]

یعنی خیر وہ ہے' جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ اچھا ہو۔ چوں کہ اس مکتب فکر کا نام Utilitarianism ہے' اس لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ ان کے نزدیک خیر کی بنیاد زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ نفع بخش ہونا ہے' مگر اس طرزِ اخلاقیات کے مبادی میں ہی یہ بات بینتھم کی طرف سے واضح کر دی گئی تھی کہ خیر' اچھائی' نفع کی بنیاد لذت (pleasure) ہے۔ تو کوئی بھی شے' یا کوئی بھی عمل اس وقت مبنی بر خیر ہے جب وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے' اور زیادہ شدت میں لذت بخش ہو۔

چوں کہ لذت کا اندازہ اس کے تجربے کے بعد ہی ہوتا ہے' اسی لیے یہ طرزِ اخلاقیات نتائج پر منحصر ہے (ایسے کسی اخلاقی نظام کو جو نتائج پر فیصلہ کرے Consequentialism کہتے ہیں' Utilitarianism کے علاوہ بھی اور کئی consequentialist ہیں)۔ یعنی جس چیز یا عمل کے نتیجے میں یہ لذت (pleasure) پیدا ہو وہ عمل مبنی بر خیر ہے۔

اس کے مقابل Deontological Ethics ہے۔ اس کے سرخیل کی حیثیت ایمیونل کانٹ (Immanuel Kant) کو حاصل ہے۔ کانٹ کے نزدیک کسی بھی عمل کے مبنی بر خیر ہونے میں اس کے نتائج کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کسی عمل کو جانچنے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس کا جذبہ محرکہ (maxim) کیا ہے۔ کانٹ کے نزدیک کوئی بھی عمل جو احساسِ ذمہ داری (sense of duty) سے کیا گیا ہو وہ خیر ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی بھی جذبہ عمل کی تہ میں پایا جائے گا وہ عمل کو خیر نہیں رہنے دیتا۔ مثال کے طور پر اگر آپ نے کسی غریب کی حالت پر ترس کھا کر' یا یہ سوچ کر کہ اس کا فائدہ ہو جائے گا' یا اس سے کسی شکریہ کی

2. Mill, J, S, Utilitarianism, (1871 4th ed.), "London : Longmans, Green, Reader, and Dyer"

امید سے' یا آخرت میں اچھے نتائج حاصل کرنے کے لیے اس کو خیرات دی' تو آپ نے ایک ''اخلاقی فعل'' نہیں کیا۔ اگر آپ اسی فعل کو "sense of duty" کے ساتھ کرتے تو آپ کا یہ فعل اخلاقی ہوتا' چاہے اس کے نتائج اچھے برآمد ہوں یا برے۔ وہ کہتا ہے آپ کے فعل کی تہ میں یہ احساس رہنا چاہیے' مثلاً غریب کی مدد کرنی چاہیے' کیوں کہ یہ آپ کا اخلاقی فرض ہے۔

وہ کہتا ہے اخلاقی فرائض کے جذباتِ محرکہ فرضی (hypothetical) نہیں ہوتے بلکہ قطعی (categorical) ہوتے ہیں۔ مثلاً ہمیشہ سچ بولنا چاہیے یا کبھی کسی کو قتل نہیں کرنا چاہیے وغیرہ' اور ان میں ''کیوں کہ' اگر' لیکن'' جیسے الفاظ نہیں آتے' اس لیے کہ یہ فرائض نتائج سے مبرا ہوتے ہیں۔ دوسری خاصیت کسی فعل کے اخلاقی ہونے کی یہ ہے کہ ان کے جذباتِ محرکہ آفاقی (universal) ہوں' یعنی اس کو تمام لوگوں پر منطبق کرنے سے کوئی فساد نہ پیدا ہو۔ مثلاً میں اگر چوری کروں اس جذبہ محرکہ سے کہ جب میرے پاس پیسے نہیں ہوں تو مجھے چوری کرنی چاہیے۔ یہ جذبہ محرکہ آفاقی نہیں ہے' کیوں کہ خود میں اس چیز کو اپنے خلاف قبول نہیں کر سکتا۔ کسی فعل کے اخلاقی ہونے کی تیسری خاصیت یہ ہے کہ انسان کے وقار (human dignity) کا خیال رکھا جائے اور انہیں ذرائع (means) نہیں بلکہ مقصود (ends) سمجھا جائے۔ مثلاً اگر میں کسی سے اس لیے اچھا سلوک کروں کہ مجھے اس سے محبت ہے تو میرا یہ فعل غیر اخلاقی ہے' کیوں کہ میں نے اس شخص کو اپنی محبت کے لیے ذریعہ بنایا اور محض انسان ہونے کی وجہ سے اس سے اچھا سلوک نہیں کیا۔

ان دونوں نظام ہائے اخلاقیات کی علمی بنیاد (epistemology) عقل ہے۔ انہوں نے مذہب اور اتھارٹی کو مسترد کر کے عقل کو بنیاد بنایا۔ یہ عقل وہی ہے جو حسیات اور تجربے کے تابع ہے۔ اس عقل کے بارے میں ڈیوڈ ہیوم کہتا ہے کہ:

"Reason is, and ought only to be the slave of the passions."[3]

یعنی عقل صرف جذبات کی غلام ہے۔

اس کے برعکس اسلام کے نظامِ اخلاقیات کی علمی بنیاد قرآن اور سنت ہے' جیسا کہ مندرجہ ذیل حوالہ جات سے واضح ہے:

3. Hume, D, A Treatise of Human Nature, p.295, (2003) Dover Publications N.Y. USA"

عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: أَتَيْتُ عَائِشَةَ ؓ، فَقُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، أَخْبِرِينِي بِخُلُقِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، قَالَتْ: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ، أَمَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ، قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾(۴)

''سعد بن ہشامؒ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ ؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ اے اُمّ المومنین! مجھے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتایئے۔ انہوں نے فرمایا: ''آپ ﷺ کے اخلاقیات سراسر قرآن تھے' کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ بے شک آپ اخلاق کی بلند ترین سطح پر ہیں۔''

اسی طرح قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے کہ:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾﴾ (الاحزاب)

یعنی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کے لیے ذاتِ رسول ﷺ ہی اخلاقیات کا بہترین نمونہ ہے۔

ان دونوں عبارات سے واضح ہوا کہ اسلام میں اخلاقیات (Ethics) کی علمی بنیاد وحی ہے' چاہے وہ ذاتِ رسول ﷺ ہو یا خود قرآن' کیوں کہ قرآن رسول ﷺ کو اخلاقیات کا منبع بتاتا ہے' اور رسول اللہ ﷺ کے اخلاق مجسم قرآن تھے۔

قرآن چوں کہ ہر خاص و عام کی ہدایت کے لیے اترا ہے اس لیے اس کا انداز کتابی نہیں رکھا گیا' یعنی مضامین اور عناوین کے لحاظ سے ابواب نہیں بنائے گئے' بلکہ ایک خطیبانہ انداز میں ہدایت کا سامان سنا دیا گیا' مگر چوں کہ ((لَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ))(۵) ''اس کے عجائب ختم نہ ہوں گے'' اس لیے بعد کے ادوار میں بہت سے موضوعات اور مسائل کے لیے استدلال کیا جاتا رہا اور کیا جاتا رہے گا۔ قرآن کی مندرجہ ذیل آیات پر غور و فکر کیا جائے تو اسلامی اخلاقیات کے اصول واضح ہوتے ہیں' اور جس طرح فلسفہ سیاست (Political Philosophy) کے لیے اخلاقیات کا سہارا لیا جاتا ہے' اسلامی حکومت کے سیاسی نظام میں بھی اخلاقیات کے اصول و ضوابط کی ضرورت ایک امر مسلّم ہے۔

(۴) مسند امام احمد، سادس عشر الانصار، ح: ۲۴۰۴۰

(۵) المستدرك على الحاكم، كتاب التفسير، تفسير سورة الانبياء، ح: ۳۳۷۵

اسلامی اخلاقیات کی خصوصیات

اسلامی اخلاقیات کی کچھ خصوصیات ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی خاصیت: اسلامی اخلاقیات کی علمی بنیاد (Epistemology) وحی ہے۔ کثیر آیاتِ قرآنی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے' مگر ایک آیت جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجنے کا تذکرہ ہوا ہے' وہاں فرمایا جاتا ہے کہ:

﴿ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾ ﴾ (البقرة)

''ہم نے کہا تم سب یہاں سے اتر جاؤ' پھر جب بھی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے تو اس کی تابعداری کرنے والوں پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

اور یہ ہدایات کس طرح آئیں گی؟ بالکل اسی جیسی آیت میں بیان ہوا:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٥﴾ ﴾ (الاعراف)

''اے اولادِ آدمؑ! اگر تمہارے پاس پیغمبر آئیں جو تم ہی میں سے ہوں جو میرے احکام تم سے بیان کریں تو جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور درستی کرے سو اُن پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

یعنی انسان کو دنیا میں بھیجتے ہوئے پہلا حکم جو دیا گیا وہ یہی تھا کہ تمہیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں' کیا صحیح ہے کیا غلط' کیا خیر ہے کیا شر' ان سب کا تعین میری جانب سے آنے والی ہدایات کے مطابق کرو گے تو نہ تم پر کسی دُنیوی نقصان یا برے نتیجے کا خوف ہوگا (جیسا کہ consequentialists کو ہوتا ہے) اور نہ ہی کسی عمل کے برے نتیجے کا آخرت میں کوئی غم ہوگا۔

دوسری خاصیت: عمل کا ظاہر ہی اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اس کے پیچھے کارفرما نیت اس کا تعین کرتی ہے کہ اس عمل کی حیثیت کیا ہے۔ جیسا کہ حضور کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ((اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ))(٦) ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔ مگر اس کو کانٹ کے maxim کے ساتھ گڈمڈ نہیں کرنا چاہیے' کیوں کہ اسلام میں اعمال کے جذباتِ محرکہ اللہ کی

(٦) صحيح البخاري، باب بدء الوحي، ح:١

رضا' اللہ کے عذاب کا خوف' آخرت کے اجر کی امید اور رسول اللہ ﷺ کی محبت ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے:

﴿ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿٩﴾ ﴾ (الدهر)

''ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے کھلاتے ہیں' نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکرگزاری۔''

یعنی ہمارے اس عمل کا جذبہ محرکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے' نہ کہ کوئی دنیوی فائدہ اور نہ کسی کی مدحت سرائی۔

﴿ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿١٩﴾ ﴾ (بنی اسرائیل)

''اور جس نے چاہا آخرت کا گھر اور جیسی کوشش اس کے لیے ہونی چاہیے وہ کرتا بھی ہو' اور وہ باایمان بھی ہو' پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی اللہ کے ہاں پوری قدردانی کی جائے گی۔''

﴿ .....فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٧٢﴾ ﴾ (یونس)

''.....میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا' میرا معاوضہ تو صرف اللہ ہی کے ذمہ ہے' اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے رہوں۔''

ان دونوں آیات میں پیغمبروں اور قابلِ قدر مؤمنین کے اخلاق کا جذبہ محرکہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ آخرت کے اجر اور جنت کے ابدی گھر کے متمنی تھے۔

﴿ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ ﴾ (المائدة)

''(ہابیل نے قابیل سے کہا:) میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنا ہاتھ نہ بڑھاؤں گا' میں تو اللہ تعالیٰ پروردگار عالم سے خوف کھاتا ہوں۔''

اس آیت میں ہابیل کا قول نقل کیا گیا کہ میرے غلط کام نہ کرنے کی وجہ اللہ اور آخرت کے عذاب کا خوف ہے۔

﴿ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾ ﴾ (الانعام)

''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک

بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔‘‘

اس آیت میں خود حضور ﷺ کی زبانی کہلوایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں مجھے آخرت کے عذاب کا خوف ہے۔

((اَحِبُّوْنِیْ بِحُبِّ اللّٰہِ ، وَاَحِبُّوا اَھْلَ بَیْتِیْ لِحُبِّیْ)) (۷)

’’مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کی وجہ سے‘ اور میرے اہلِ بیت سے محبت کرو میری محبت کی وجہ سے۔‘‘

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نیک اعمال کا جذبہ محرکہ اللہ تعالیٰ اور اپنی محبت بتا رہے ہیں۔

تیسری خاصیت: عمل کرنے والے کا بھی صاحبِ ایمان ہونا لازمی ہے۔ مغرب میں غالب سائنٹفک عقلیت نے فرد کو منہج (method) سے نکال باہر کیا ہے۔ ان کے مطابق اگر method صحیح ہو تو فرد کی کوئی اہمیت نہیں‘ بحث صرف method سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاقیات کے اکثر مکاتبِ فکر میں فرد کی اپنی کوئی اہمیت نہیں ہے‘ مگر اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ بظاہر عمل بھی صحیح ہو اور اس کی نیت بھی اچھی ہو‘ لیکن اگر وہ صاحبِ ایمان نہ ہو تو اس کے عمل کی قدر نہیں۔ مندرجہ ذیل آیات میں عمل کے لیے فرد کے ایمان کی حیثیت کو واضح کیا گیا ہے:

﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾﴾ (بنی اسرائیل)

’’اور جس نے چاہا آخرت کا گھر اور جیسی کوشش اس کے لیے ہونی چاہیے وہ کرتا بھی ہو‘ اور وہ باایمان بھی ہو‘ پس یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدردانی کی جائے گی۔‘‘

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ﴾ (البقرۃ: ۱۷۷)

’’نیکی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے ہی کا نام نہیں‘ بلکہ اصل نیکی اس کی ہے جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر‘ قیامت کے دن پر‘ فرشتوں پر‘ کتاب اللہ پر اور نبیوں پر۔‘‘

چوتھی خاصیت: ممکن ہے وحی کے ذریعے معلوم ہونے والا کوئی اخلاقی فعل طبیعت پر گراں گزرے یا اس کے ذریعے آسانی کی بجائے تکلیف کا سامنا ہو‘ مگر بہرصورت اخلاقی فعل وہی

(۷) جامع الترمذی، کتاب الدعوات، ابواب المناقب، باب مناقب اھل بیت النبی ﷺ ح: ۳۷۵۱

ہے جس کی تصدیق وحی کے ذریعے ہوتی ہو۔ ممکن ہے اس کی حکمت یا اصل غایت ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو‘ مگر اچھا‘ اخلاقی اور مبنی بر خیر فعل وہی ہے جو وحی پر مدار رکھتا ہو‘ کیوں کہ ہمارا مصدرِ علمی (epistemology) ہی علمِ خداوندی ہے۔ مثلاً:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾﴾ (البقرۃ)

’’تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں دشوار معلوم ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو۔ اور ہوسکتا ہے ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لیے بری ہو۔ حقیقی علم اللہ ہی کو ہے، تم محض بے خبر ہو۔‘‘

پانچویں خاصیت: ضروری نہیں کہ کوئی فعل وحی کے ذریعے اخلاقی یا غیر اخلاقی بتایا گیا ہو اور وہ فعل ہمیشہ کے لیے اور ہر صورت حال میں وہی رہے‘ بلکہ اللہ کی جانب سے کوئی خاص اذن آئے تو اس کا حکم بدل بھی سکتا ہے۔ یہ تصور کانٹ کے تصورِ اخلاقیات سے متصادم ہے جو اخلاقیات کو categorical مانتا ہے۔ اس کی مثال غزوۂ بنی نضیر کے دوران نازل ہونے والی آیات میں ملتی ہے کہ:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۵﴾﴾ (الحشر)

’’تم لوگوں نے کھجوروں کے جو درخت کاٹے یا جن کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا‘ یہ سب اللہ ہی کے اذن سے تھا‘ اور (اللہ نے یہ اذن اس لیے دیا) تاکہ فاسقوں کو ذلیل وخوار کرے۔‘‘

حالاں کہ اس واقعے سے قبل رسول اللہ ﷺ غزوات کے لیے اعلان کرواتے رہے تھے کہ درخت نہ کاٹے جائیں‘ فصل نہ تباہ کی جائے‘ بچوں‘ بوڑھوں‘ عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے‘ اور نہ عبادت گاہوں پر حملہ کیا جائے‘ مگر اس موقع پر اِذنِ باری تعالیٰ کی وجہ سے درخت کاٹنا اخلاقی فعل بن گیا تھا۔

چھٹی خاصیت: نفعِ دنیوی کی بنیاد پر کسی غیر اخلاقی فعل کو اخلاقی نہیں بنایا جاسکتا‘ چاہے وہ نفع دنیوی کتنا ہی بھائے۔ شراب اور جوئے کو اسی کے تحت غیر اخلاقی بتایا گیا ہے:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ز وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ﴾ (البقرۃ:۲۱۹)

''(اے نبی ﷺ!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں' آپ کہہ دیجیے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے اس سے دنیوی فائدے بھی ہیں' لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔''

ساتویں خاصیت: ان اخلاقی افعال میں درجہ بندی بھی ہے۔ یعنی فیصلے کے وقت ایک اخلاقی فعل پر دوسرے اخلاقی فعل کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اگر مجبوری ہو تو ایک قبیح فعل کو اَقبح سے بچنے کے لیے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ مِل نے Utilitarianism میں یہ اضافہ کیا تھا کہ جس عمل میں زیادہ نفع ہو اس کو اختیار کیا جائے گا' اور اس نے بھی نفعِ لذات میں درجہ بندی کی تھی۔ مگر نفعِ لذات اور اسلام کے نفع میں فرق ملحوظ رہنا چاہیے۔ اس نفع کی تشریح قرآن کی آیت: ﴿وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ﴾ (الرعد: ۱۷) ''جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے'' کے ذیل میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اسلامی اخلاقیات کی یہ ترتیب بھی ہمیں قرآن کی آیت سے معلوم ہوتی ہے کہ جب ایک پروپیگنڈے پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی پکڑ فرمائی:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ ۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۙ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۱۷)

''(اے نبی ﷺ!) لوگ آپ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں' آپ کہہ دیجیے ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے' لیکن اللہ کی راہ سے روکنا' اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا' اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ فتنہ تو قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔''

یہ چند آیات بطورِ مثال ذکر کی گئی ہیں جو قرآنی اخلاقیات کو بیان کرتی ہیں' جبکہ قرآنِ حکیم اور سنتِ رسول ﷺ اپنی ذات میں اخلاقیات کا معیار ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اپنی آیاتِ بینات پر غور وفکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❁❁❁

ریاست پر کسی مذہب کا حق نہ ہونا!

(مسلم اجتماعیت' جدت پسند حملوں کے زد میں)

حامد کمال الدین ☆

اصحابِ مورد کا کہنا ہے:

''یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ ریاست کا بھی کوئی مذہب ہوتا ہے اور اس کو بھی کسی قراردادِ مقاصد کے ذریعے سے مسلمان کرنے اور آئینی طور پر اس کا پابند بنانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس میں کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔ یہ خیال جن لوگوں نے پیش کیا اور اسے منوانے میں کامیابی حاصل کی ہے' انہوں نے اس زمانے کی قومی ریاستوں میں مستقل تفرقے کی بنیاد رکھ دی اور ان میں بسنے والے غیر مسلموں کو یہ پیغام دیا ہے کہ وہ درحقیقت دوسرے درجے کے شہری ہیں جن کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک محفوظ اقلیت (Protected minority) کی ہے اور ریاست کے اصل مالکوں سے وہ اگر کسی حق کا مطالبہ کر سکتے ہیں تو اسی حیثیت سے کر سکتے ہیں''۔[1] (اسلام اور ریاست: ایک جوابی بیانیہ۔ روزنامہ جنگ ۲۲ جنوری ۲۰۱۵ء)

یعنی پہلے تو آپ اپنے اوپر ''قومی ریاست'' کو فرض کریں گے' جبکہ اللہ نے یہ آپ پر فرض نہیں کی (جبھی تو قراردادِ مقاصد پر معترض ہیں کہ اس نے اسلام کو یہ حاکمانہ حیثیت دے کر ''نیشن سٹیٹ'' کا فارمیٹ خراب کر دیا ہے)۔ پھر قومی ریاست کے ان معیاروں کی رو سے اس بات کو حرام ٹھہرا دیں گے کہ یہ مملکت دین اسلام کی پابند ہو۔ اور اس کے بعد ایسی آوازوں کو گردن زدنی قرار دینے چل دیں گے جو یہاں اسلام کو دستوری حیثیت دے رکھنے کی بات کرتی ہیں اور جن کو دبانا عالمی اسٹیبلشمنٹ کے ایجنڈا پر سرفہرست ہے۔

☆ مدیر ماہنامہ ''ایقاظ'' لاہور hamidateeqaz@gmail.com

ریاست کا دینِ اسلام پر ہونا' ان اصحاب کی نظر میں ناجائز ہے! کسی خطے کے اندر آپ ۹۸ فیصد مسلم اکثریت کیوں نہ ہوں آپ کی ''ریاست'' کی بلا سے آسمان سے نازل شدہ دین حق کیا ہوتا ہے! اتنی بڑی مسلم جماعت پر بھی یہی فرض ہے کہ اپنے عقائد یا طرزِ معاشرت کو اپنا ذاتی مسئلہ ہی رکھے؛ جبکہ ریاستی عمل یہاں بسنے والے سب مذہبی وغیر مذہبی گروہوں کے مابین سانجھا ہو..... اسلام کے لیے کوئی جگہ رہتی ہے تو وہ صرف یہ کہ: شرعِ اسلام ہر پانچ سال بعد لوگوں کے ووٹ اور اس میں چلنے والی جوڑتوڑ کے رحم وکرم پر ہو۔ شرعِ اسلام کی قسمت (معاذ اللہ) اس چیز سے لٹکتی رہے کہ انتخابی مہم میں کس پارٹی کو میڈیا سے کتنی کوریج ملتی ہے اور کس پارٹی کو اپنی کیمپین چلانے کے لیے کس سرچشمہ سے کتنا پیسہ ملتا اور کون سے آدمی کو لائے جانے کا فیصلہ کس بند کمرے یا کس ساہوکار ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ہوتا ہے! کون یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ پاکستانی جمہوریت کے اندر یہ کچھ مؤثر ترین عوامل نہیں؟

اس بات کا پختہ و پائیدار بندوبست کر دینا کہ اسلام ہی یہاں کا آئین ہو' خواہ کوئی آئے یا کوئی جائے' اِس نقطہ نظر سے شریعت کی خلاف ورزی ہے! ریاست اور آئین کو ہاتھ بھی لگانے کا اسلام کو حق نہیں۔ جو قسمت آزمائی کرنی ہے بس حکومت کی سطح پر کرے! اپنا کل سہارا ووٹ پر رکھے اور ایڈہاک حیثیت میں رہے! حالانکہ خود اِن کو معلوم ہے اِس ٹوٹے 'کشکول' میں کیا پڑنے والا ہے! ہاں ہاتھ کی چیز کا چلا جانا یقینی ہے! کون نہیں جانتا' اِس قوم کی زندگی سے اسلام کو مکمل طور پر رخصت کر دینے کا یہ ایک تیر بہدف نسخہ ہے۔

سبھی کو معلوم ہے' حالیہ عالمی جھٹکوں میں جس طرح اس ملک کے بچ رہنے ایسا معجزہ یہاں کسی بروقت شروع کر لیے گئے ایٹمی پروگرام کا مرہونِ منت ہے (ورنہ اب تک خدانخواستہ سب کچھ چلا جاتا) عین اسی طرح یہاں اسلام کا بہت کچھ بچا رہ گیا تو وہ اس لیے کہ یہاں کوئی قراردادِ مقاصد خاصے بھلے وقتوں میں پاس کر لی گئی تھی۔ ورنہ پچھلے کئی عشروں سے یہاں جو خاک اڑنا شروع ہوئی ہے' دوسری جانب یہاں کی تہذیبی تشکیل کے معاملہ میں ''ڈومور'' (do more) کے جو نوٹس ''اُدھر'' سے دھڑا دھڑ آنے لگے ہیں' جبکہ ملک کا سب کچھ کرائے پر اٹھا دینے والی جو ''جمہوری حکومتیں'' اب ایک عرصے سے آپ کو میسر آئی اور ہر چیز کو ڈالر میں تولتی رہی ہیں وہ کسی کی نظر سے اوجھل نہیں ہے' کوئی انجان ہی بنا رہنے پر مُصر ہے تو اور بات۔ ہم کہتے ہیں یہاں کے ریاستی عمل میں ''قراردادِ مقاصد'' ایسے کچھ تالے نہ لگے ہوتے' تو جمہوریت کے یہ

چالیس چور یہاں آپ کا کیسا صفایا کر چکے ہوتے‘ ایک ادنیٰ نظر کا مالک آدمی بھی اس کا بخوبی اندازہ رکھتا ہے۔ آپ کو چاہئے ان لوگوں کے لیے صبح وشام دعائے خیر کریں جو قراردادِ مقاصد ایسا ایک آئینی اقدام آپ کی قوم کے لیے بروقت کر گئے۔ معلوم نہیں ریاست کی سطح پر اسلام کا پتا صاف کر کے یہ لوگ یہاں کون سے مقاصد پورے کرنا چاہ رہے ہیں۔ سبحان اللہ! ’’ریاست‘‘ اور ’’آئین‘‘ سے اسلام کی چھٹی! جو امید لگانی ہے اس بات سے لگاؤ کہ الیکشن کی تلچھٹ یہاں کیا چیز اوپر لے کر آتی ہے۔ اس کے جھاگ سے اگر تمہارے لیے اسلام کی حکمرانی بھی نکل آتی ہے تو تمہاری قسمت! کون کہتا ہے ہم اسلام پر مہربان نہیں!

سبھی کو معلوم ہے اکثر تھرڈ ورلڈ ملکوں میں ’الیکشن‘ ایک مہذب واردات کا نام ہے۔ این جی اوز‘ ملٹی نیشنلز‘ میڈیا‘ بینکرز‘ انٹرسٹ گروپس‘ تہذیبی ساخت کرنے والی لابیاں اس عمل کو اپنی مرضی کی جہت دینے میں یہاں کیسی کیسی سرگرمیاں نہیں دکھاتیں اور کیسی کیسی اثر انگیزی نہیں رکھتیں۔ آپ تجاہلِ عارفانہ سے کام لینا چاہیں تو کیا کہا جاسکتا ہے! جبکہ آئینِ اسلام آپ کے ہاں مسلسل ان اشیاء کے رحم وکرم پر رہے گا! ریاستی عمل دینِ اسلام کا پابند نہیں‘ خواہ اس فتویٰ کی مدد سے ایک قادیانی آپ کا ’اولی الامر‘ کیوں نہ بن جائے!

حضرات! یہ راستہ آگے کہاں تک جاتا ہے‘ شاید بہت کم لوگوں کو اس کا اندازہ ہے۔ یہ معاملہ صرف آئینی اور قانونی امور پر رکنے کا نہیں۔ اپنی تباہی کے راستے میں حائل قراردادِ مقاصد ایسی کوئی رکاوٹ آپ کے اپنے ہاتھوں آج اگر منہدم ہوجاتی ہے تو اُن طوفانی رفتار سے بڑھنے والے عالمی تقاضوں کو روبہ عمل آنے میں ہرگز دیر نہ لگے گی جو کرۂ ارض پر پائی جانے والی ہر ریاست کو ایک خالص ہیومن اسٹ (humanist) سٹیٹ بنا کر چھوڑنے والے ہیں۔ یہاں پر جاری جمہوری عمل سے اسلام کے لیے آپ ہمیں جو امیدیں لگوا رہے اس کا تو ہر شخص کو اندازہ ہے..... ہاں اِس ’جمہوری‘ عمل سے ـــ ’’قراردادِ مقاصد‘‘ ایسے کسی انتظام کی غیر موجودگی میں ـــ یہاں ایک ہیومن اسٹ سٹیٹ آپ کو ضرور مل جانے والی ہے۔ اس قوم کے ساتھ آپ یہ ہاتھ ہوجانے دینا چاہتے ہیں تو کم از کم آپ کو اندازہ ضرور ہونا چاہئے کہ اگر یہ قوم اس گڑھے میں خدانخواستہ جا گرتی ہے تو اس کو وہاں سے نکالنا اور اس پر حملہ آور بے رحم بھیڑیوں سے تب اس کو کوئی تحفظ دلانا خود آپ کے بس میں نہ ہوگا۔ جو جمہوریت جماعت اسلامی ایسے پروگراموں کے لیے قحط سالی بنی رہی ہے‘ کیا ضروری ہے کہ وہ آپ کی

اسلامی امیدوں کے لیے ابرِ کرم بنی رہے گی؟ جس بے بھروسہ جمہوری عمل پر آپ اسلام کی تقدیر کو معلق ٹھہرانا چاہتے ہیں‘ اس کا کوئی تجربہ آپ آج ہی کیوں نہیں کر لیتے؟ قراردادِ مقاصد اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ تو بہرحال نہیں ہے! اسلامی شریعت کے یہاں دستور بنا رہنے کے عمل کو آپ کس بودے تار کے ساتھ باندھنا چاہتے ہیں‘ کیا واقعتاً آپ کو یہ معلوم نہیں ہے؟

کئی ایک پہلوؤں سے ہم خود اس قراردادِ مقاصد پر ملاحظات رکھتے ہیں اور شاید اسے پاس کروانے والے بھی ایسے کئی ملاحظات اس پر رکھتے ہوں۔ مگر کچھ دیے ہوئے حالات میں بعض بنیادی باتوں پر اس قوم کا شیرازہ مجتمع رکھنے کے لیے اس کا فائدہ مند رہنا اظہر من الشمس ہے‘ ورنہ نجانے یہاں آپ کا کیا کچھ بہہ چکا ہوتا۔ یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ عملاً اسلام لانے میں گو اس کی کوئی خاص افادیت نہیں رہی‘ کہ یہ مسئلہ ریاست کا نہیں حکومت کا رہ گیا تھا (ہمیں ریاست اور حکومت کا فرق سمجھانے والے توجہ فرمائیں!!!) البتہ اس ملک کے اندر کھلے کفر کا راستہ روکنے میں بے شمار پہلوؤں سے یہ چیز ایک ناقابلِ عبور بند کا کام دیتی رہی ہے۔

البتہ اس بند کو توڑ کر یہاں جس ہیومن اسٹ سٹیٹ (humanist state) کا راستہ صاف ہو رہا ہے اور جس کے اندر ریاستی عمل میں کسی اکثریتی ٹولے کے مذہب کو کسی اقلیتی ٹولے کے مذہب یا نظریات پر حاوی ہونے کا حق (بظاہر) نہیں ہوتا وہاں صورتحال یہ ہوتی ہے‘ کہ سکولوں کے نصاب میں اگر آپ کو صرف اتنی سی بات ڈالنی ہو کہ یہ کائنات کسی علیم اور خبیر ہستی کی تخلیق ہے (Intelligent Design theory) تو اعتراضات کا تانتا بندھ جاتا ہے: ’’جناب اس ملک میں ملحد بھی بستے ہیں..... تعلیمی نصابوں کو مذہب کے حق میں جانبدار نہیں ہونا چاہئے..... ملک سب کا ہے!‘‘ کلاس میں ٹیچر اگر خدا کے وجود کو ثابت کہنے کا ’’جرم‘‘ کر بیٹھا ہے تو شکایات کے دفتر کھل جاتے ہیں: ’’ہم کسی مذہب وذہب کو نہیں مانتے‘ تمہیں ہمارے بچوں کی ذہن سازی کا حق کس نے دیا ہے؟ ہم سب یہاں ٹیکس دیتے ہیں اور سب کے ٹیکس سے یہ سکول چل رہے ہیں۔ یہاں کوئی اپنے مذہب کے ساتھ ہم پر اثر اندازی (influence) کیسے کر سکتا ہے؟‘‘

ہمیں معلوم ہے ریسرچ پیپروں اور سیمیناروں میں زندگی بسر کرنے والے کچھ حضرات اِس کا ’آسان حل‘ یہ بتائیں گے کہ یہاں ہر مذہب کے لیے جداگانہ نظامِ تعلیم جاری کر ڈالا جائے۔ (جو ہمارے علم کی حد تک‘ دنیا کے کسی ملک میں نہیں ہے!) لیکن ہم ان سے کہیں گے:

خدارا برسرِ زمین رہ کر کچھ ارشاد فرمایئے۔ یہاں آئین میں ایسے تقاضوں کے ہوتے ہوئے کہ اس قوم کے بچوں کو قرآن اور قرآن کی زبان سے روشناس کرایا جائے گا' یہاں کے مسلمان بچوں اور نوجوانوں کو ابھی آپ کونسا اسلامی نظامِ تعلیم دے سکے ہیں جو آپ اس کو ہیومن اسٹ سٹیٹ بنا دینے کے بعد یکلخت کہیں سے لے آئیں گے؟ شریعت کے حق میں آئینی انتظام یہاں کے کارندوں کے کچھ اصولی فرائض تو کم از کم متعین کرتا ہے۔ اس کے بعد تو کھلا جنگل ہے۔

ہمیں رٹوایا جانے والا یہ جملہ کہ ''ریاست کسی مذہب پر نہیں ہونی چاہئے'' عنقریب جو صورت دھار لینے والا ہے وہ آپ کے ابلاغ اور تعلیم تک کا گلا گھونٹ کر رہے گی۔ اس کا طبعی اختتام لامحالہ یہ ہے: یعنی اجتماعی شعبوں میں ''غیبیات'' کے موضوع پر ہی ایک مکمل غیر جانبداری۔

آپ جانتے ہیں غیبیات کے معاملہ میں ''لا اَدریت'' یا ''غیر جانبداری'' بذاتِ خود ایک دین ہے' بلکہ پورے ماڈرن یورپ کی بنا ہی اسی پر کھڑی ہے۔ پس وہ تو اپنے دین پر ہوئے۔ ریاستی اور سرکاری عمل کو 'مذہب' سے الگ تھلگ رکھتے ہوئے وہ تو ریاست کو پورا پورا اپنے عقیدے پر کھڑا کریں گے۔ واقعتاً اُن کی تو ''الجماعۃ'' ہی اسی دین پر استوار ہے: یعنی ملحد اور مومن دونوں کا ایک 'مشترک سرزمین' (common ground) پر آ جانا۔ پس آپ کے ایک ایک شعبے پر ضروری ہو جاتا ہے کہ وجودِ خداوندی کے منکروں کو 'ایڈجسٹ' کریں۔ رسالت' آخرت' سب کچھ باہر۔ مذہب آپ کا ذاتی مسئلہ ہوگا' سرکاری زمین صرف ''مشترکات'' کے لیے مختص ہوگی۔ یعنی ریاستی عمل میں خود بخود آپ اُس دین پر آ گئے جس میں نہ یہ کہنے کی گنجائش کہ رسالت ہے اور نہ یہ کہنے کی گنجائش کہ رسالت نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ بجائے خود ایک دین ہے' جس کی بنیاد ''انسان کی مرکزیت'' ہے' یعنی humanism۔ اس کی رُو سے جو چیز انسانوں کے مابین ''مشترک'' ہوگی ''اجتماعیت'' صرف اسی پر استوار ہوگی: نہ ملحدوں کو یہ حق کہ وہ اپنی سیاسی پوزیشن کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تعلیمی نصابوں میں یہ لکھیں کہ آخرت نہیں ہے اور نہ مؤمنوں کو یہ حق کہ وہ اپنی سیاسی پوزیشن کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تعلیمی نصابوں میں یہ درج کر دیں کہ آخرت ہے۔ لیکن ظاہر ہے آپ کے بچوں کو لازماً کوئی نہ کوئی 'میٹافزیک' دی جانی ہے' خواہ وہ کسی ''علیم وحکیم'' پر ایمان ہو' خواہ وہ کسی ''الل ٹپ'' پر ایمان ہو یا کسی ''لا اَدریت'' پر ایمان ہو۔ ''ایمان'' وہ بہرحال ہوگا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کائنات کے

سرچشمہ کی بابت آپ کی کوئی بھی رائے نہ ہو۔ کائنات جو سامنے نظر آتی ہے اس کی origin کی بابت ''کچھ بھی نہ کہنا'' بذاتِ خود ایک رائے اور ایک مذہب ہے۔ ماڈرنزم سب اسی مذہب پر کھڑا ہے۔ لیکن یہ لوگ ہم پر اپنا یہ نظریہ ٹھونس کر کہ یہ تو کوئی مذہب نہیں (بالجبر) اس کو ہمارے لیے ''کامن گراؤنڈ'' ڈیکلیئر کر دیتے ہیں۔ (ہم کہتے ہیں یہاں کوئی 'کامن گراؤنڈ' ہے ہی نہیں۔ جو بھی گراؤنڈ ہے وہ کسی ''مذہب'' کی ہے' اور لامحالہ آپ کو کسی مذہب پر ہونا ہے' بلکہ آپ ایک مذہب پر ہیں' صرف ہمیں ہمارے مذہب پر ہونے سے روک رہے ہیں۔)

پس یورپ اپنے مذہب پر ریاست قائم کرے' یہ حق ہے۔ وہ ہمیں اپنے اس مذہب پر ریاست قائم کرنے کا پابند رکھے' ہمارے جدت پسندوں کے نزدیک یہ برحق ہے۔ البتہ ہم اپنے مذہب پر اپنی ریاست قائم کریں' حتیٰ کہ پارلیمنٹ' منتخب نمائندوں اور دو تہائی اکثریت سے کریں' یہ غلط اور سراسر باطل ہے!

انجامِ کار' اِس فلسفہ پر چلتے ہوئے..... 'ریاست کسی مذہب کی نہیں' ہونے کے لیے ضروری ہوگا کہ صرف قوانین نہیں' آپ کے ایک ایک قومی شعبے سے ''خالق''، ''تخلیق''، ''رسالت''، ''آخرت'' ایسی سب اشیاء باہر کر دی جائیں' اور نونہالوں کو تعلیم دیتے ہوئے ''میٹافزیک'' میں ہی صرف وہ بات رہنے دی جائے جس پر خدا کے انکاری طبقے تک معترض نہ ہو سکتے ہوں (۲)۔ جہنمی ملتیں اگر آپ سے اس سطح تک راضی ہوں تو ہم مانیں گے یہ ایک ماڈرن سٹیٹ ہے!

حواشی

(۱) اس نیریٹو (narrative) کی بعد ازاں جو وضاحت ہوئی اس سے نفس الامر میں کوئی فرق نہیں آیا۔ 'نیشن سٹیٹ' کا فارمیٹ بدلنا کوئی دین شکنی نہیں ہے۔ ریاستی عمل کو اسلام کا پابند کر دینے کی جو بھی صورت مسلمانوں کی استطاعت میں ہو' مسلمان اُسے کیوں اختیار نہ کریں؟ ۹۸ فیصد مسلم آبادی اپنی ''سماجی قوت'' اور ''سیاسی رِٹ'' کو اس کا ذریعہ بنائے' یہ ''فتح'' کی نسبت ایک کہیں نرم تر عمل ہے۔ مسلمانوں کو ''غاصب'' گردانے کے معاملہ میں اصل بات بہت پیچھے تک جاتی ہے جو شاید بی جے پی کے زاویہ مطالعہ تاریخ سے جا ملے اور راجہ داہر کے 'حق' تک پہنچے! اصل یہ ہے کہ ہمارے ان شہروں کا اذانوں سے گونجنا جن فتوحات کا مرہونِ منت ہے انہی کو صاف ظلم گردانیں۔ ورنہ اتنی بڑی مسلم جماعت (اسلامیانِ پاکستان) کا اپنی ناقابلِ مزاحمت

سماجی وسیاسی برتری کے بل پر ریاستی عمل کو خدا کی عبادت میں دے دینا فتح کی نسبت ایک کہیں زیادہ سمجھ آنے والی بات ہے۔ کسی زمین پر شریعت کی رِٹ قائم کرنے کے معاملہ میں اصل چیز مسلمانوں کے پاس اس بات کی ''قدرت'' ہونا ہے، جبکہ ''فتح'' یا ''سیاسی وسماجی برتری'' اِس قدرت کی ایک صورت۔ ''قراردادِ مقاصد'' ایسے کسی اقدام سے البتہ 'نیشن سٹیٹ' کی ساخت میں کچھ فرق آ گیا ہے، تو کوئی شریعت کی خلاف ورزی نہیں ہوگئی ہے۔ اصل بحث وہیں پر پہنچے گی: بارہ صدیوں تک نصف معمورۂ ارض کا اسلام کی قلمرو بنا رہنا ''غصب'' کی ایک داستان ہے اور اسلام کا نصف جہان میں پھیلنا بڑی حد تک ظلم و بربریت کا نتیجہ! (مستشرقین اور مرزا قادیانی کا ڈسکورس!) ہمارا مشورہ ہے کہ ان کالموں میں مسئلہ کو اس کے پورے حجم کے ساتھ کھول دیا جائے!

'ریاست' اور 'حکومت' میں آپ جیسے مرضی فرق کریں، اصل چیز ریاستی عمل کو اسلام کے تابع کرنا ہے، بایں طور کہ یہ افراد کے موڈ اور مزاج پر نہ رہ جائے بلکہ یہاں کا باقاعدہ آئین ہو جو افراد کو آپ سے آپ پابند کرے۔ ریاستی عمل میں اسلام کی یہ مستقل حیثیت دورِ حاضر کی بحثوں میں 'حکومت' سے زیادہ 'ریاست' سے متعلقہ ہوگی، گو ہمیں اس کی شکلی صورت سے غرض نہیں۔

(۲) جیسا کہ ہم پیچھے کہہ آئے، ہر ہر مذہب کے لیے 'جداگانہ نظامِ تعلیم' اور 'جداگانہ قضاء' وغیرہ رکھنے والی ایک مفروضہ ریاست بھی دنیا کی کوئی نرالی ریاست ہی ہوگی۔ علاوہ اس بات کے کہ ابھی آپ کے پاس مسلمان کی ضرورت کا نظامِ تعلیم دینے کی کون سی صورت ہے جو تب آپ ہمیں لا دیں گے؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ

إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا

زمانے کی گواہی — سورۃ العصر کی روشنی میں

حافظ محمد مشتاق ربانی

سورۃ العصر فلسفہ تاریخ کے اعتبار سے نہایت جامع سورت ہے۔اس میں انسان کے اعمال کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا گیا ہے' کہ کون لوگ نقصان اٹھا رہے ہیں اور کون کامیابی سے ہمکنار ہیں۔اس کامیابی و ناکامی کے موضوع کے پیش نظر اس سورت کے بارے میں امام شافعیؒ کا قول ہے :لَوْ تَدَبَّرَ النَّاسُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ لَوَسِعَتْهُمْ ''لوگ اگر اسی ایک سورت کے معانی و مطالب پر غور کرلیں تو یہ سورت ان کی راہنمائی کے حوالے سے کفایت کرے گی''۔اس قول سے ملتا جلتا ان کا ایک اور قول ہے: لَوْ لَمْ يُنَزَّلْ مِنَ الْقُرْآنِ سِواها لَكَفَتِ النَّاسِ ''اگر قرآن حکیم میں سوائے اس سورت کے اور کچھ بھی نازل نہ ہوتا تو لوگوں (کی ہدایت) کے لیے یہی کافی ہوتی''۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کرم نوازی ہے کہ اس نے ایک مکمل ضابطہ حیات اتارا ہے جس میں واضح احکامات ہیں۔یوں لگتا ہے کہ پورا قرآن مجید سورۃ العصر کی وضاحت ہے اور مکمل قرآن مجید بشمول سورۃ العصر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا کا جواب ہے۔

اس سورۂ مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ تمام انسان امیر غریب' بادشاہ رعایا' مرد عورت' مشہور مجہول سب کے سب خسارے سے دوچار ہونے والے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے' نیک اعمال کیے' ایک دوسرے کو حق کی تاکید کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کا مشورہ دیتے رہے۔ان عناصرِ اربعہ کے بغیر ہر انسان اس برف فروش کی طرح ہے جسے اس بات کا اندیشہ کھائے جا رہا ہے کہ اگر اس کی برف جلدی فروخت نہ ہوئی تو وہ لازمی طور پر خسران کا شکار ہوگا۔فرق صرف یہ ہے کہ برف بیچنے والے کو اپنے نقصان کا شدت سے احساس ہے لیکن عام انسان جو پاکیزہ زندگی نہیں گزار رہے وہ غفلت میں مدہوش ہیں۔آنکھ بند ہوتے ہی ہر چیز سے پردہ اٹھ جائے گا اور پھر سوائے پچھتاوے کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔بعض لوگ ممکن ہے اس دنیا میں بڑے کامیاب نظر آتے ہوں لیکن اگر وہ اس سورت میں مذکور

چاروں صفات سے محروم ہیں تو وہ حقیقت میں ناکام ترین ہیں۔ایک بادشاہ کے بارے میں سب کا عموماً خیال ہوتا ہے کہ وہ بہت کامیاب انسان ہے' کیونکہ اس کو بادشاہت ملی ہوتی ہے۔ٹھیک ہے وہ دنیا کے ٹھہرائے ہوئے معیار کے مطابق تو کامیاب ہوگا' لیکن اگر وہ سورۃ العصر میں بیان کردہ صفات سے خالی ہے تو اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ معیار کے مطابق وہ خسارے میں ہے۔اس کے برعکس ایک عام انسان جو مفلس اور ناچار ہو وہ بظاہر ناکام سمجھا جاتا ہے لیکن اگر اس میں سورۃ العصر کی پیش کردہ صفات ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیاب ہے۔

سورۃ العصر اپنے نظم کلام میں نہایت برمحل ہے۔سورۃ العصر سے ماقبل سورت' التکاثر ہے جس میں وعید ہے کہ انسان مال وجاہ کے حصول میں اس حد تک نہ لگ جائے کہ وہ برزخی اور آخرت کی زندگی سے بالکل بے خبر ہو جائے۔اگر ایسا ہوا تو بہت بھیانک نتائج نکلیں گے اور ایسے لوگ کامیاب ہونے والے نہیں ہیں' جیسا کہ سورۃ العصر میں زمانے کی گواہی پیش کی گئی ہے۔سورۃ العصر کے بعد سورت' الھُمزہ ہے جس میں صرف مال کو کامیابی سمجھنے والوں کا انجام دکھایا گیا ہے۔گویا سورۃ العصر کا سیاق وسباق اسی مضمون کو بیان کر رہا ہے جو خود سورۃ العصر میں پیش کیا گیا ہے۔

سورۃ العصر میں چار امور کو کامیابی کا معیار ٹھہرایا گیا ہے' یعنی ایمان' عمل صالح' تواصی بالحق اور تواصی بالصبر۔ایمان سب سے بنیادی بات ہے۔ایمان **اقرار باللسان وتصدیق بالقلب** کا نام ہے۔ایمان کی موجودگی سے ہی نیک اعمال سرزد ہوتے ہیں۔عمل صالح کے بارے میں ہمارا روایتی تصور نہایت محدود ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ صرف عبادات یعنی نماز روزہ حج اور زکوٰۃ اعمالِ صالحہ ہیں۔جبکہ' اعمالِ صالحہ کا دائرہ پوری زندگی کے اعمال پر مشتمل ہے۔ایک مسلمان تاجر اگر صداقت وامانت کے اصولوں پر تجارت کرتا ہے تو حدیث کے مطابق اس کو آخرت میں ''انبیاء' صدیقین اور شہداء کی معیت نصیب ہوگی''۔اسی طرح ایک ٹیچر اگر دیانت داری کے ساتھ اپنے فرائض ادا کر رہا ہے تو وہ نیک عمل کر رہا ہے۔

تواصی بالحق سے مراد نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا ہے۔تواصی بالحق میں دوسروں سے ہمدردی کرنا پایا جاتا ہے۔تواصی بالحق دعوت وتبلیغ کا ہی دوسرا نام ہے۔یہ عمل دور دراز کا رختِ سفر باندھنے سے ہی انجام نہیں ہوتا بلکہ یہ اپنے آس پاس کے لوگوں کے ساتھ کرنے والا عمل ہے۔''**الأقرب فالأقرب**'' کے مصداق' جو جتنا قریب ہے وہ اسی قدر اس خیر خواہی کا

مستحق ہے۔ دعوت وتبلیغ کا دائرہ وسیع کرنا چاہیے' لیکن ایسا نہ ہو کہ اپنے قریبی لوگ دعوت وتبلیغ کی سوغات سے محروم رہیں۔ انگریزی کے اس مقولے پر عمل کرنا چاہیے Charity begins at home اسی بات کو عربی میں کہیں گے **الاحسان یبدأ من الداخل**۔ اگر اپنے دائرہ اختیار میں دعوت کا کام کرلیا ہے تو پھر اور مقامات پر یہ کام کیا جائے تاکہ امتِ مسلمہ شہادت علی الناس کی ذمہ داری سے سبک دوش ہو سکے۔ دعوت کے کام کے لیے ضروری ہے کہ یہ کام علم کی بنیاد پر ہو' جہالت میں ٹامک ٹوئیاں نہ ماری جائیں۔ علیٰ وجہ البصیرۃ دعوت دی جائے جس میں اخلاص نظر آئے۔ اگر اس کام کو علم وحکمت کے بغیر کیا جائے گا تو وہ فتنہ وشر کی صورت میں بھی سامنے آسکتا ہے۔ دعوتِ دین کی طرف دی جائے' نہ کہ کسی شخصیت کی مقبولیت میں اضافہ کے لیے۔ دعوت کا کام کرتے ہوئے کسی پر تکفیر کا لیبل نہ لگایا جائے۔ دعوت دینے کے لیے تمام جدید وسائل کو بروئے کار لایا جائے۔ سوشل میڈیا کو استعمال کیا جائے۔ جدید وسائل کو استعمال کرتے ہوئے شائستگی کو اختیار کیا جائے۔ تواصی بالحق کا کام کرتے ہوئے حکمت کو ہر مرحلے میں اپنانے کی ضرورت ہے۔ حکمت کے بغیر یہ کام مؤثر نہیں ہوسکتا۔ حکمت دعوت کی جان ہے۔

تواصی بالصبر کا مفہوم یہ ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہوئے جو مصائب ومشکلات آئیں ان کو جھیلنے کی ایک دوسرے کو تاکید کرنا۔ داعی الی اللہ اگر صبر نہیں کرے گا تو وہ اپنے عظیم مقصد میں ناکام رہے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ تواصی **باب افتعال** سے ہے جس کی ایک خاصیت اشتراک ہے۔ گویا حق بات کہنے اور حق بات کے ردعمل میں آنے والی ہر مصیبت میں ہمیں صبر کے حوالے سے دوسروں کے لیے نمونہ بننا چاہیے۔ دعوت وتبلیغ کا کام اکیلے بھی کیا جاسکتا ہے' لیکن اگر کچھ لوگ مل کر کریں تو اس کے اثرات زیادہ اچھے مرتب ہوں گے۔

اسلام صرف اپنی ذات میں اچھا ہونے کو نہیں کہتا بلکہ اپنے اردگرد کے لوگوں کی اصلاح کی فکر کرنے پر بھی ابھارتا ہے۔ اگر معاشرے کے زیادہ لوگ سیدھے راستے پر چلنے والے اور تقویٰ اختیار کرنے والے ہوں گے تو وہ ایک دوسرے کے لیے سہارا بنیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام زور دیتا ہے کہ ریاست قائم کی جائے جس کو اسلام کے دیے ہوئے اصولوں پر چلایا جائے تاکہ چار سو نیکی نظر آئے اور ایک پاکیزہ ماحول وجود میں آئے۔ سورۃ العصر میں اسی بات کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جن معاشروں میں نیکی کا غلبہ رہا وہ اس دنیا میں آسودہ حال رہے اور جو

شیطنت کا نظام رائج کیے رکھے انہیں پائیداری حاصل نہیں رہی' وہ بالآخر تباہی کا شکار ہوگئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مختصر سورت کی روشنی میں ہم قومی وملی سطح پر آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اس میں ایک واضح پیکج دیا گیا ہے کہ ہم دنیا وآخرت دونوں میں کیسے کامیاب ہوسکتے ہیں' کیونکہ ''خسر'' کلمہ میں اتنی وسعت ہے کہ یہ ہر طرح کے خسارے کو اپنے مفہوم میں پیش کرتا ہے۔

اس سورت میں معاشرے میں تبدیلی لانے کا بنیادی طریقہ کار بتایا گیا ہے۔ جس معاشرے میں ایمان کا بیج بویا جائے' اس میں ہر طرف نیکی کی فصل اگے گی۔ یہی انقلابِ نبوی کی اساس ہے۔ منفی ہتھکنڈے استعمال کرنے سے معاشرہ تبدیل نہیں ہوتا بلکہ اس میں اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ جس معاشرے میں تواصی بالحق تواتر کے ساتھ ہو' وہاں کے لوگوں میں نیکی فروغ پائے گی۔ تواصی بالحق امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا پورا ایک نظام ہے۔ تواصی بالصبر میں تربیت پر زور دیا گیا ہے۔ اعمال صالحہ میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ داعی جس بات کی دعوت دے رہا ہو اس پر خود بھی عمل کرے۔ قول وفعل میں تضاد سے دعوت کے عمل کو بریک لگ جاتی ہے۔ سورۃ العصر میں چاروں عناصر کی جو ترتیب آئی ہے وہ نہایت معنی خیز اور فطری ہے۔ حقیقی ایمان کا نتیجہ اعمال صالحہ ہے۔ جب انسان پر اعمالِ صالحہ کرنے کی دھن سوار ہو جاتی ہے تو پھر وہ دوسروں کی بھی فکر کرتا ہے۔ جب معاشرے کی ایک کمیونٹی نیکی کے راستے پر چلنے کا عزم کرتی ہے تو وہ ایک دوسرے کو سپورٹ کرتی ہے۔ بھلائی کو فروغ دینے میں مشکلات آتی ہیں۔ گویا یہاں جو عناصر بیان ہوئے ہیں وہ سب اپنے سے پہلے والے پر انحصار کرتے ہیں۔ زمانہ کی گواہی ہے کہ معاشرے انہی چاروں عناصر سے تبدیل ہوتے ہیں اور انہی میں فوز وفلاح مضمر ہے جن کا یہاں مجمل انداز میں ذکر پیش کیا گیا ہے۔ ❁❁❁

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝
وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ساس سسر کی خدمت
اور بہو کا کردار

عبداللہ العزیز الغفور ☆

گزشتہ شمارے میں محترمہ بیگم ڈاکٹر عبدالخالق صاحبہ کا ایک اہم معاشرتی مسئلہ کے بارے میں ایک مضمون بعنوان ''لڑکی کا الگ گھر کا مطالبہ'' شائع ہوا تھا۔ بعض قارئین کی طرف سے توجہ دلائی گئی ہے کہ اس مضمون میں اس معاشرتی مسئلہ کے بعض پہلو نظرانداز ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں عبداللہ العزیز الغفور صاحب کا مضمون جو مذکورہ قارئین کے احساسات کی بہتر ترجمانی پر مشتمل ہے، ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے، جس میں تصویر کا دوسرا رخ نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ (ادارہ)

ماہنامہ میثاق ماہ اپریل ۲۰۱۵ء کے شمارہ میں محترمہ بیگم عبدالخالق صاحبہ کا مضمون ''لڑکی کا علیحدہ گھر کا مطالبہ'' نظر سے گزرا۔ احقر کی نگاہ میں بیگم صاحبہ کی شخصیت کئی اعتبار سے محترم ہے۔ تاہم ان کے مذکورہ مضمون سے احقر کو شدید اختلاف ہے۔ اختلاف کا سبب یہ نہیں کہ احقر کے نزدیک لڑکی کا علیحدہ گھر کا مطالبہ کرنا جائز نہیں، بلکہ اختلاف کا اصل سبب ان کا وہ نقطۂ نظر ہے کہ جس کے گرد ان کا مضمون گھومتا ہے اور وہ ہے ''بہو کو ساس سسر کی خدمت سے معاف رکھنا''۔ اس کا اظہار انھوں نے اپنے مضمون میں جابجا مختلف الفاظ میں کیا ہے۔ مثلاً ''ہم نے خودساختہ فرائض گھڑ لیے ہیں کہ بہو پر ساس سسر کی خدمت فرض ہے۔''..... ''جو کام وہ کردیتی ہے اس کے بدلے میں اس کو دعائیں دیں، اچھا اخلاق پیش کریں کہ وہ آپ پر احسان کررہی ہے۔''..... ''اس کے فرائض میں ساس سسر کی خدمت کو بھی شامل کردیا گیا ہے۔'' وغیرہ وغیرہ۔ زیرنظر مضمون میں اسی اختلاف کا احاطہ کیا گیا ہے۔

☆ برائے رابطہ: 0321-4287788

جوائنٹ فیملی سسٹم

جہاں تک تعلق ہے جوائنٹ فیملی سسٹم کا تو فیملی میاں بیوی اور کئی بیٹے بیٹیوں پر مشتمل بھی ہوسکتی ہے، جہاں بیٹوں کی شادی کے بعد پردے کے مسائل جنم لے سکتے ہیں، اور میاں بیوی اور ایک بیٹا بیٹی پر بھی کہ جہاں اس قسم کے مسائل کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت جوائنٹ فیملی سسٹم کا رد نہیں کرتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے صرف اپنے احکام کی پاسداری چاہتا ہے۔ اُس کا فرمان ہے:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا﴾ (النُّور: ٦١)

''تم پر کوئی گناہ نہیں کہ مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ ساس، بہو کا کچن الگ ہے یا مشترک؟ بلکہ وہ تو یہ دیکھتا ہے کہ کون جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتے ہوئے بھی شریعت پر عمل پیرا ہے اور کون علیحدہ گھر بسا کر بھی میرے احکام کی پروا نہیں کرتا۔ لہٰذا محض جوائنٹ فیملی سسٹم کو بنیاد بنا کر لڑکی کے لیے علیحدہ گھر کا مطالبہ کسی طور درست نہیں۔

ساس سسر کی خدمت

اس ضمن میں یہ عرض کروں گا کہ جس قدر والدین کی خدمت بیٹے پر فرض ہے، اسی مناسبت سے ان کا خیال رکھنا بہو کی ذمہ داری ہے۔ یہ کہنا کہ ''بیٹے کو چاہیے کہ وہ والدین کی تمام ضروریات خود پوری کرے اور ساس صاحبہ جو توقعات بہو سے رکھتی ہیں، بیٹا وہی سب کچھ اپنے ذمے لے لے۔'' ہرگز درست نہیں۔ اس لیے کہ جس طرح ہر والد یہ چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا جوان ہوکر اسے معاشی کفالت کے بوجھ سے نجات دے، اسی طرح ہر ماں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی شادی کرکے ایسی بہو لائے جو اسے امورِ خانہ داری کے بوجھ سے نجات دے یا کم از کم گھر کے کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹائے۔ ساس جو توقعات بہو سے رکھتی ہے، اگر وہ سب امور بھی بیٹا اپنے ذمہ لے لے تو پھر والد کے کندھوں پر عائد ذمہ داری کا بوجھ کون اٹھائے گا؟ ہماری اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہے جو اتنے آسودہ حال نہیں کہ گھر کے کام کاج کے لیے ملازم رکھ سکیں۔ اگر ایسے میں بہو بھی اپنی ذمہ داری نبھانے سے انکار کردے تو ان والدین کا کیا بنے گا جنھوں نے اپنی زندگی بھر کی کمائی بہو کی جھولی میں ڈال دی؟ رسول

اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

((ان من اطیب ما اکل الرجل من کسبه، وولده من کسبه))

(ابوداؤد: کتاب البیوع، ح: ۳۵۲۸)

''انسان کا پاکیزہ ترین رزق وہ ہے جو وہ خود کماتا ہے اور اس کا بیٹا بھی اس کی کمائی ہے۔''

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے علیحدہ گھر

ہمیں صرف یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہر زوجہ کے لیے الگ گھر بنایا' بلکہ ان گھروں کی حقیقت بھی ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے۔ آج جب ہم گھر کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ہمارے ذہنوں میں کچن' باتھ روم' بیڈ روم اور ڈرائنگ روم کا تصور از خود آجاتا ہے' جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج رضی اللہ عنہن کو رہائش کے لیے جو جگہیں مہیا کی تھیں' ان پر موجودہ مفہوم میں گھر کا اطلاق صحیح نہیں۔ وہ تو چھوٹے چھوٹے حجرات (کمرے) تھے' جن کی تفصیل احادیث میں اس طور سے آتی ہے:

عن عائشة رضی اللہ عنہا زوج النبی ﷺ انها قالت: کنتُ انام بین یدی رسول اللّٰه ﷺ ورجلای فی قبلته، فاذا سجد غمزنی فقبضتُ رجلی، فاذا اقام بسطتهما

(بخاری: کتاب الصلوٰة، ح: ۵۱۳۔ مسلم: کتاب الصلوٰة، ح: ۱۱۴۵)

''نبی کریم ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سوئی ہوتی اور میرے پاؤں آپ ﷺ کے سجدے کی جگہ پر ہوتے۔ جب آپ ﷺ سجدہ کرنے لگتے تو میرا پاؤں دبا دیتے اور میں پاؤں سمیٹ لیتی' پھر جب آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے تو میں انھیں پھیلا دیتی۔''

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: کان رسول اللّٰه ﷺ یصلی تطوعا والباب علیه مغلق، فجئتُ فاستفتحتُ، فمشی ففتح لی ثم رجع الٰی مصلاه، وذکرتُ ان الباب کان فی القبلة

(رواه احمد و ابوداود والترمذی ۔ مشکوٰة: کتاب الصلوٰة، ح: ۱۰۰۵)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نفل ادا کر رہے تھے اور دروازہ بند تھا۔ میں آئی تو میں نے دروازہ کھولنے کی درخواست کی۔ پس آپ ﷺ نے چل کر

میرے لیے دروازہ کھولا اور پھر اپنی جائے نماز پر لوٹ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا۔''

دروازہ قبلہ کی جانب ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بغیر رخ تبدیل کیے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور پھر الٹے پاؤں واپس اپنی جگہ پر آ گئے۔ سوال یہ ہے: کیا آج ہم اپنی بیٹیوں کے لیے ایسے گھروں پر اکتفا کریں گے؟ واقعہ یہ ہے کہ آج کے دور میں ان گھروں کا اطلاق اگر ہوگا تو وہ کمروں پر ہوگا۔ کسی کے ذہن میں یہ خیال بھی آ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو اپنی ازواج کے لیے کمرے الگ الگ فاصلہ پر بنائے تھے' لہٰذا بہو کا کمرہ بھی سسرال کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے جواب میں عرض کروں گا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا تو باہم رشتہ سوتن کا تھا' چنانچہ انھیں فاصلہ پر بسانے ہی میں حکمت پوشیدہ تھی۔ کیا ہماری بیٹیوں کو بھی سسرال میں ایسی ہی صورت حال کا سامنا ہے؟

بڑھاپا اور اولاد

جس طرح ماں باپ اولاد کے لیے بچپن میں سایہ عاطفت ہوتے ہیں' اسی طرح اولاد بھی والدین کے بڑھاپے کا سہارا ہوتی ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ ''ہم نے تو کل اپنے بیٹوں پر کیا' لہٰذا بیٹا چھن جانے کے ڈر سے ہم اس کا گھر اجاڑنا پسند کرتے ہیں۔'' حقیقت سے پہلوتہی ہے۔ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا:

جئتُ ابایعك علی الهجرة وترکتُ ابویَّ یبکیان، فقال: ((ارجع علیهما فاَضحکهما کما ابکیتَهما))

(ابوداؤد: کتاب الجهاد، ح: ۲۵۲۸)

''میں اپنے والدین کو روتا چھوڑ کر ہجرت کے لیے آپ کی بیعت کرنے حاضر ہوا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ! جا کر انھیں اسی طرح ہنساؤ' جس طرح تم نے انھیں رلایا ہے۔''

اگر ماں باپ کو روتا چھوڑ کر جہاد کے لیے ہجرت کو رسول اللہ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا تو پھر انھیں روتا چھوڑ کر بیوی کے لیے ہجرت کیسے پسندیدہ ہو سکتی ہے؟

والدین کی بیٹے سے کفالت کی ڈیمانڈ بھی توکل باللہ کے خلاف نہیں۔ ایک شخص نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

ان لی مالا وولدا وان والدی یحتاج مالی، قال: ((انت ومالك لوالدك، ان اولادكم من اطیب كسبكم فكلوا من كسب اولادكم)) (ابوداؤد: كتاب البیوع، ح: ۳۵۳۰)

''میرے پاس مال بھی ہے اور اولاد بھی' جبکہ میرے والد کو بھی میرے مال کی حاجت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ ترین کمائی ہے' لہٰذا اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ۔''

پوتے پوتیاں اور ان کی محبت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ﴾ (یٰسٓ: ٦٨)

''اور جس کی عمر ہم لمبی کرتے ہیں' اس کی ساخت کو ہم الٹ دیتے ہیں۔''

یعنی جوں جوں عمر گزرتی ہے' انسان کے قویٰ ڈھیلے پڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی اس کے مزاج میں بھی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہر انسان میں ایک بچہ چھپا ہوتا ہے جو عمر ڈھلنے پر ظاہر ہونا شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ کبھی جن لوگوں کی آواز سے ان کی اولاد سہم جایا کرتی تھی' بعد میں پوتے پوتیاں ان کے کندھوں پر اچھل کود رہے ہوتے ہیں۔ ایسی عمر کے لوگوں سے یہ کہنا: ''اپنے دل کو بیٹے اور ان کی اولاد میں لگانے کی بجائے آخرت کی بھیانک اور خوفناک منزلوں سے نبرد آزما ہونے کی طرف راغب کریں۔'' قطعاً مبنی برحقیقت نہیں۔ آخرت کی بھیانک اور خوفناک منزلوں کی طرف جس ہستی کا دل سب سے زیادہ راغب تھا' اس ہستی کا معاملہ بھی ہمارے سامنے اس طور سے آتا ہے:

كان النبی ﷺ یخطب فجاء الحسن والحسین رضی اللّٰه عنهما وعلیهما قمیصان احمران یعثران فیهما، فنزل النبی ﷺ فقطع كلامه فحملهما، ثم عاد الی المنبر ثم قال: ((صدق اللّٰه اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن: ١٥) رایتُ هٰذین یعثران فی قمیصیهما فلم اصبر حتّٰی قطعتُ كلامی فحملتُهما)) (سنن النسائی: كتاب الجمعة، ح: ١٤١٤)

''نبی اکرم ﷺ (بروز جمعہ) خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما آ گئے۔ انھوں نے سرخ رنگ کی (لمبی) قمیصیں پہن رکھی تھیں اور ان میں لڑکھڑا رہے تھے۔ نبی اکرم ﷺ خطبہ چھوڑ کر نیچے اترے اور انھیں اٹھا کر دوبارہ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے ''بلاشبہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں۔'' میں نے انھیں دیکھا کہ قمیصوں میں لڑکھڑاتے آ رہے ہیں تو میں صبر نہ کر سکا' حتیٰ کہ میں نے اپنا خطبہ روکا اور انھیں اٹھایا۔''

یعنی یہ وہ جذبہ ہے جو فطرت کی طرف سے انسان کو ودیعت ہوا ہے' اس پر قابو پانا انسان کے بس کی بات نہیں۔ لہٰذا لڑکی کے علیحدہ گھر کے مطالبہ کے لیے پوتے پوتیوں سے دل نہ لگانے کی ترغیب فطرت سے چشم پوشی ہے۔

بہو پر ساس کا احسان

ہر ساس بہو بھی رہی ہوتی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ آخر وہ کون سے مراحل ہیں کہ جن سے گزر کر ایک عورت مظلوم سے ظالم اور مجبور سے جابر کا روپ دھار لیتی ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ ایک عورت جب ماں بنتی ہے اور اس کے آنگن میں بیٹے بیٹی کی صورت میں پھول کھلتے ہیں تو وہ ان کی پرورش اس نظریہ کے تحت کرتی ہے کہ بیٹی تو پرائے گھر کی امانت ہے' اسے تو اپنے گھر چلے جانا ہے۔ ہاں! بیٹا میرے جگر کا ٹکڑا میرے بڑھاپے کا سہارا بنے گا۔ اسی امید پر وہ اٹھارہ' بیس' بلکہ آج کل تو اٹھائیس' تیس سال تک اسے کھلاتی' پلاتی اس کے کپڑے دھوتی' استری کرتی' غرض اس کی تمام ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کے لیے نیک اور صالح بیوی ڈھونڈنے میں مصروف ہو جاتی ہے۔ بالآخر وہ دن بھی آ جاتا ہے جب وہ بڑی چاہ اور حسرت سے بہو کو بیاہ کر اپنے گھر لاتی ہے۔ یہ وہ حقائق ہیں کہ جن کے تحت تقریباً ہر ماں اپنے بیٹے کی پرورش اور اس کا گھر آباد کرتی ہے۔ پھر کچھ ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں کہ جن کی بدولت غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔ مثلاً ساس یہ محسوس کرتی ہے کہ پہلے وہ ہر وقت بیٹے کی توجہ کا مرکز ہوا کرتی تھی۔ وہ جو پہنتا تھا' پوچھ کر پہنتا تھا' جہاں جاتا تھا' بتا کر جاتا تھا۔ مگر اب کسی بات میں اس کی پرواہ ہی نہیں کرتا! چنانچہ وہ احساسِ محرومی کا شکار ہو جاتی ہے اور اس کا رویہ تبدیل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ کبھی تو وہ بات بات پر بیٹے کو ٹوکتی ہے کہ یوں کرو' یوں نہ کرو' یہ پہنو' یہ نہ پہنو۔ اور کبھی بہو سے کہتی ہے: یہ پکاؤ' یہ نہ پکاؤ' اسے یہ پسند ہے' اسے یہ پسند نہیں۔

جس کے ردِعمل میں بہو کو اُس سے چڑ ہو جاتی ہے اور وہ جان بوجھ کر وہی کرتی ہے جس سے اسے روکا جاتا ہے۔ نتیجتاً ساس بہو میں ٹھن جاتی ہے اور یوں ایک محبت کرنے والی ماں روایتی ساس کا روپ دھار لیتی ہے۔ اگر بہو معاملہ فہمی اور حکمت سے کام لے تو ایسے حالات پر باآسانی قابو پاسکتی ہے' کیونکہ ساس کا ایسا طرزِعمل کسی دشمنی کی بنا پر نہیں' بلکہ احساسِ محرومی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر ساس اس کی دشمن ہوتی تو اسے بیاہ کر کیوں لاتی؟ بہو کو ساس کا شکرگزار اور احسان مند ہونا چاہیے کہ اس نے اپنی برسوں کی محنت کا حاصل اپنا بیٹا اس کے سپرد کر دیا ہے۔ اگر یہ نہیں تو کم از کم اس بات پر کہ اس نے اپنے گردوپیش موجود سینکڑوں لڑکیوں میں سے صرف اسے چنا۔

ہمارے رسم ورواج اور ہم

اگر ہم ساس بہو کے ایسے تنازعات سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس اسلامی نسخہ پر عمل کرنا ہوگا جو بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ہمیں بتا گئے ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ پہلے لوگ اولاد کے بالغ ہوتے ہی اس کا نکاح کر کے بہو لے آتے تھے۔ بیٹے کی کفالت بھی خود کرتے تھے اور بہو کی بھی۔ تب جا کر بہو یہ محسوس کرتی تھی کہ یہ ہمارے ماں باپ ہیں' ہمیں کھلاتے' پہناتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی ڈانٹ ڈپٹ کا معاملہ بھی ہوتا تھا تو احسن طریقے سے جھیل جاتی تھی' کیونکہ وہ عمر کے اس حصہ میں ہوتی تھی کہ ابھی اس کا مزاج تندی وتیزی کے سانچے میں نہیں ڈھلا ہوتا تھا' چنانچہ وہ باآسانی سسرالی ماحول کی خوگر ہو جاتی تھی۔ مگر اب لوگ بیٹھے رہتے ہیں اس انتظار میں کہ لڑکا اپنی تعلیم مکمل کر کے کوئی اچھی نوکری ڈھونڈ لے' تب اس کی شادی کرنی ہے۔ چنانچہ جب بہو آتی ہے تو وہ عمر کے اس حصہ میں ہوتی ہے کہ اس کا مزاج ڈھل چکا ہوتا ہے۔ ثانیاً وہ آتی ہے اپنے شوہر کے گھر میں۔ وہ دیکھتی ہے کہ کماتا میرا شوہر ہے' محنت وہ کرتا ہے۔ یہ بڈھا بڈھی ایک تو ہمارا کھاتے ہیں اور دوسرے ہر بات میں ٹانگ اڑاتے ہیں۔ چنانچہ ساس سسر اس پر بوجھ بن جاتے ہیں۔ وہ انھیں تو ان کے گھر سے بے دخل کرنے سے رہی' نتیجتاً شوہر اور بچے لے کر خود نکل جاتی ہے۔

اگر ہمارے ہاں ساس بہو کو اس کی بیماری میں میکے بھیج کر اس کی خدمت اور اس پر احسان کرنے سے محروم ہے تو اس کے ذمہ دار بھی ہم خود ہیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب مرحوم نے چالیس سال قبل جن غیر شرعی رسومات کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا' اگر ان میں کوئی رسم رہ گئی ہے

تو ہمیں چاہیے کہ بجائے اسے سینے سے لگانے کے اس کے خلاف صف آرا ہوں۔ بہو کو اس کی بیماری میں میکے بھیج دینا نہ صرف یہ کہ غیر شرعی' بلکہ شرم وحیا کے بھی منافی ہے۔ اس لیے کہ شریعت نے لڑکی والوں پر اس قسم کا کوئی بوجھ نہیں ڈالا۔ مگر ہمارے ہاں والدین کو لڑکی کی بیماری پر اٹھنے والے خرچ سے لے کر بچے کے کپڑے' کھلونے حتیٰ کہ پنگوڑے وغیرہ کی شکل میں فرنیچر تک کا بندوبست بھی کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ لڑکی جو کل تک ایک بچی کی صورت گھر میں اِدھر اُدھر بھاگتی پھرتی تھی' آج حمل اٹھائے باپ اور بھائیوں کے سامنے نقاہت سے چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ پھر وہ شوہر کہ جس کے گھر میں حقیقی خوشی آنی ہوتی ہے' ٹانگیں پھیلائے گھر میں آرام سے سویا پڑا ہوتا ہے اور لڑکی کا باپ اور بھائی لیبر روم کے باہر کھڑے انتظار کر رہے ہوتے ہیں!! لہٰذا اگر ڈاکٹر صاحب مرحوم کی نگاہ اس طرف نہیں گئی تو ہمیں چاہیے کہ اس قبیح رسم کا خاتمہ کر کے خلقِ خدا کو اس بوجھ سے نجات دیں۔

لڑکی کا علیحدہ گھر کا مطالبہ

اگر لڑکی کو سسرال میں شریعت پر عمل کرنے میں دشواری کا سامنا ہو تو وہ علیحدہ گھر کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اس صورت میں یہ مطالبہ جائز اور درست ہوگا۔ محض ساس سسر کی خدمت سے فرار کی بنا پر ایسا کرنا جائز نہیں' کیونکہ شوہر کے ماں باپ کا خیال رکھنا اس کی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ شوہر کے کہنے کے باوجود ایسا نہیں کرتی تو وہ شوہر کی نافرمان اور ناشکری ہے۔ ایسی عورتوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((واریتُ النار فلم ار منظرا کالیوم قط افظع ورایتُ اکثر اھلھا النساء)) قالوا: بم یارسول اللّٰہ؟ قال: ((بکفرھن)) قیل: یکفرن باللّٰہ؟ قال: ((یکفرن العشیر ویکفرن الاحسان))

(بخاری: کتاب الکسوف، ح:۱۰۵۲)

''مجھے جہنم دکھائی گئی' سو آج کی طرح کا منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا! اور میں نے اس میں عورتوں کی اکثریت دیکھی''۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ ایسا کیوں؟ فرمایا: ''ان کے کفر کی وجہ سے''۔ پوچھا گیا: اللہ کے ساتھ کفر کی وجہ سے؟ فرمایا: ''شوہروں کی نافرمانی کرتی ہیں اور ان کے احسان کا شکریہ ادا نہیں کرتیں۔''

یہی وجہ ہے کہ وہ صحابیات رضی اللہ عنہن بھی کہ جن کا تعلق متمول گھرانوں سے ہوتا تھا' اپنے

شوہروں کے حکم پر ان کے والدین تو کجا ان کے ڈھور ڈنگروں کی بھی خدمت کیا کرتی تھیں۔
حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ فرماتی ہیں:

تزوجنی الزبیر وماله فی الارض من مال ولا مملوك ولا شیء غیر فرسه، قالت: فكنت اعلف فرسه واكفیه مئونته واسوسه، وادق النوی لناضحه واعلفه، واستقی الماء واخرز غربه واعجن، ولم اكن احسن اخبز فكان یخبز لی جارات من الانصار وكن نسوة صدق (مسلم: كتاب السلام، ح:٥٦٩٢)

''حضرت زبیر بن العوامؓ نے مجھ سے نکاح کیا تو ان کے پاس نہ مال تھا' نہ غلام' نہ کوئی اور چیز سوائے ایک گھوڑے کے۔ وہ فرماتی ہیں: میں ان کے گھوڑے کو چارہ ڈالتی' اس کی خبر گیری اور خدمت کرتی۔ ان کے اونٹ کے لیے گھٹلیاں کوٹتی' اس کو گھاس ڈالتی' اس کو پانی پلاتی اور ڈول کے ذریعہ پانی نکالتی تھی' لیکن روٹی میں اچھی نہ پکا سکتی تھی' سو وہ میرے لیے میری ہمسایہ انصاری عورتیں پکا دیتی تھیں اور وہ بڑے اخلاص والی عورتیں تھیں۔''

چنانچہ بیوی کا فرض ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کرے' جبکہ کوئی بیٹا یہ نہیں چاہتا کہ اس کی بیوی اس کے ماں باپ کی خدمت نہ کرے۔ لہٰذا ساس سسر کی خدمت بہو کی ذمہ داری ہے۔ بڑھاپے میں اپنے اور شوہر کے کپڑے دھونے سے بہتر ہے کہ جوانی میں ساس سسر کے کپڑے دھو کر دعائیں لیں اور دنیا اور آخرت دونوں سنواریں۔

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ (الفرقان)

''اے ہمارے رب! تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کے ذریعے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا دے۔''

آمین یا ربَّ العالمین ...... وما علینا الا البلاغ!

وادیٔ کشمیر میں داعیٔ قرآن کی محبوبیت اور مقبولیت

محترم المقام برادرم خالد محمود خضر صاحب' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے آپ سبھی حضرات بخیر وعافیت ہوں گے۔ چند گزارشات کرنا چاہتا ہوں۔

آپ نے پچھلی بار ''میثاق'' کی جولائی ۲۰۱۴ء تک کی فائلیں بھیجی تھیں۔ ازراہِ کرم اگست ۲۰۱۴ء تا اپریل ۲۰۱۵ء کی ان پیج فائلیں ارسال فرمائیں' اس کے لیے آپ کا بے حد ممنون رہوں گا۔ امیر محترم اور دیگر مرکزی زعماء حضرات تک میرا اسلام محبت وخلوص واحترام وعقیدت پہنچائیں۔

میری شدید خواہش ہے کہ ''حکمت قرآن'' میں جو مستقل سلسلہ ''ترجمۂ قرآن' مع صرفی ونحوی تشریح'' از حافظ احمد یار صاحب شائع ہوتا ہے' اس کو میں اپنے یہاں کے ماہنامہ ''الحیات'' اور ماہنامہ ''البنات'' میں ریپروڈیوس (reproduce) کروں' بشرطیکہ آپ اس کی اجازت مرحمت فرمائیں اور ساتھ ہی اس ترجمے کی ان پیج فائلیں [سورۃ الفاتحہ سے سورۃ المائدۃ تک] (یا جہاں تک دستیاب ہیں) مجھے ارسال فرمائیں۔

ایک خوشخبری یہ ہے کہ بانیٔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کی حیات وخدمات سے متعلق ''الحیات'' کا ۳۲۴ صفحات پر مشتمل خصوصی نمبر ''داعیٔ قرآن' داعیٔ خلافت: ڈاکٹر اسرار احمد'' کا تیسرا ایڈیشن حال ہی میں پرنٹ ہو کر آ گیا' اور اب دستیاب ہے۔ کشمیر کی چھوٹی سی وادی میں اللہ کے فضل سے اس نمبر کی چھ ہزار کاپیاں فروخت ہو جانا بانی مرحوم کی محبوبیت اور مقبولیت کی واضح دلیل ہے' فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

سیرت پاک کی نئی کتاب ''سیرت خیر الانام ﷺ'' کو بھی یہاں کے عام مسلمانوں اور بالخصوص ''تنظیم اسلامی'' کے حامیوں کے لیے' مکتبہ الحیات' نے شائع کیا ہے۔

والسلام مع غایت الاحترام
احقر العباد ڈاکٹر جوہر قدوسی
مدیر (اعزازی) الحیات' البنات' Crescent

ذُوالقرنین، سدِّ ذُوالقرنین اور --- یاجوج ماجوج (۸)

شاہین عطر جنجوعہ

تجارتی سرمایہ داری: جدید سرمایہ داری کی طرف پہلا قدم تجارتی سرمایہ داری (Mercantile Capitalism) کی صورت میں نمودار ہوا۔ تجارتی سرمایہ داری میں مسابقت کا مطلب ہے کہ جیتنے اور ہارنے والے (دونوں) ہوں گے۔ Mercantilism میں سرمایہ کی اشیاء کی ذاتی ملکیت ہوتی ہے۔ سرمایہ کاری ہوسکتی ہے، ذاتی فیصلہ کارفرما ہوتا ہے۔ پیداوار، اشیاء کی تقسیم، آزاد مارکیٹ میں مسابقت (competition) سے متعین ہوتی ہے۔

Mercantilism بھی اگرچہ اپنی سرگرمی میں سرمایہ دارانہ عنصر رکھتی تھی لیکن اس نے کبھی ان حفاظتی حصاروں پر حملہ نہیں کیا جو پیداوار کے بنیادی عنصر تھے، زمین اور مزدوری، کہ وہ بھی (یعنی زمین اور مزدوری) تجارت (Commerce) کے عناصر بن جائیں۔ چنانچہ Mercantilism میں بھی ضوابط جاگیرداری کے زیادہ قریب تھے بنسبت سرمایہ داری کے۔

دوسری طرف Venice، Florance اور Gensa میں پھیلتی تجارت کے رموز سے واقفیت کی وجہ سے ان علاقوں میں سٹاک ایکسچینج اور بینک قائم ہوا۔ Venice میں پہلا بینک 1157ء میں ریاست کی گارنٹی سے قائم ہوا: The Bank of Venice۔

ابتدائی بینک تاجروں کے دانہ (grain) بینک تھے جو از منۂ وسطیٰ (500 سے 1500ء) میں ایجاد ہوئے۔ جب Lombardy (ایک علاقہ) کے تاجر اور بینکر

☆ ''بحث ونظر'' کے عنوان سے شائع شدہ مضامین کے مندرجات سے ادارۂ میثاق کا اتفاق ضروری نہیں۔ وضاحت طلب امور کے لیے صاحبِ مضمون سے رابطہ کیا جاسکتا ہے:

(فون: 03345080530) ای میل: shaeenattar@yaho.com

Lombard کے میدانوں کی فصلوں کی طاقت کی وجہ سے رتبے (status) میں اونچے ہو گئے۔ استیصال (persecution) سے بھاگے ہوئے بہت سے یہودی اس تجارت کی طرف متوجہ ہوگئے۔ وہ اپنے ساتھ مشرق وسطیٰ اور اس وقت کی شاہراہِ ریشم (silk rout) کی تجارتی سرگرمیاں (practices) ساتھ لائے۔ اس سرگرمی میں ایک جمے جمائے راستے (establishment) پر تجارت کرنے/ کرانے کو finance کرنے کی سرگرمی ہوتی تھی۔ انہوں نے اسے grain financing کے لیے استعمال کیا۔

Mercentile banking تجارت کی financing سے، جس میں اپنی ذمہ داری اور اعتبار پر تجارت ہوتی، سے ترقی کر کے دوسرے کے لیے تجارت settle کرنے پر پہنچ گئی۔ پھر یہ بینکنگ settlemend of billets/notes کے لیے doposits رکھنے تک ترقی کر گئی جس میں notes ان لوگوں کے لکھے ہوتے جو اصلاً اناج کی دلالی کرتے تھے۔ اس طریقے سے تاجر کا banche (bank لاطینی زبان کے الفاظ banca سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے banch یا جیسا کہ ایک کاؤنٹر) جو کہ اناج کی مارکیٹ میں ہوتا، (کسی) bill کے بدلے پیسے رکھنے کی جگہ بن گیا۔

بعد میں جمع پیسے پر جمع کرانے/ کرنے والے کے لیے discounting interest شروع ہوا۔ اٹلی آنے والے یہودی (بارہویں/ تیرہویں صدی میں) چونکہ زمین نہیں رکھ سکتے تھے، لہٰذا وہ بڑے pizz's trading اور Hall of Lombardy میں مقامی تاجروں کے ساتھ شامل ہوگئے اور اپنے banch بنالیے فصلوں کی تجارت کے لیے۔

مقامی لوگوں پر انہیں ایک بڑا advantage تھا۔ کرسچین سود (usury) کے استعمال سے سختی سے روکے گئے تھے، جسے landing of interest کہا جاتا تھا۔ یہودی نو واردوں کو، کسان کو، فصلوں کے بدلے lend کرتے تھے، یہ ایک ''high risk loan'' تھا جو چرچ کے نزدیک usurus تصور ہوتا، لیکن یہودیوں پر چرچ کے احکامات نافذ نہیں ہوتے تھے، چنانچہ وہ اناج کی فروخت کے حقوق حاصل کر سکتے تھے۔ اب انہوں نے فصلوں کے کاٹے جانے پر دانوں کی shipment کو دور کی جگہوں پر پہنچانے کے بدلے advance payment شروع کردی۔

تیرہویں صدی میں ''Halian christians'' کے گروہ، خاص کر

Cahossisrs اور Lombards نے ایک Legal fiction ایجاد کی تاکہ عیسائی usury کے امتناع (ban) سے بچ نکلیں۔ ایسے عیسائیوں کو pop's usurers کہا گیا۔ فلورنس میں سب سے طاقتور خاندان Acciaivcli اور Mozzi خاندان بینکنگ میں ملوث تھے۔ Bardi اور Peruzzi خاندان بالادست تھے۔ یہ الگ بات کہ یہ بینکنگ سارے یورپ میں پسندیدہ نہیں تھی۔ 1401ء میں ''King of Aragon'' نے کچھ بینکاروں کو نکال دیا۔ 1403ء میں انگلینڈ کے ہنری نے ان (بینکاروں) کو اپنی سلطنت میں سود لینے سے روک دیا۔ کسی بھی طریقے سے 1410ء میں تمام اٹالین مرچنٹس کو پیرس سے نکال دیا گیا (سود میں ملوث ہونے کی وجہ سے)۔

دوسری طرف بادشاہوں کے ماتحت چلنے والی سلطنتوں مثلاً جرمنی، فرانس، انگلینڈ میں ایسی مذہبی، سیاسی، معاشرتی تبدیلیاں آ گئیں کہ جاگیرداری نظام درہم برہم ہو گیا۔

1514ء میں لوتھر کے باغیانہ اقدام یعنی ''تحریک اصلاح مذہب'' سے مرکزی کلیسا کمزور پڑ گیا اور نیا فرقہ، مذہب protestant وجود میں آ گیا لہٰذا کلیسا کی گرفت ریاستوں اور عوام پر کمزور ہو گئی۔

اس دوران احیاءِ علوم کی تحریک بھی برپا تھی۔ ہوا یوں کہ اٹلی کے شہر فلورنس میں سیاسی فکر، سفارت کارانہ حکمت عملی، سائنس اور ادب میں ایک ہمہ جہت تبدیلی کا آغاز ہوا جسے ''احیاءِ علوم'' کہا جاتا ہے۔ وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس میں شہر فلورنس کی سماجی اور شہری انفرادیتوں، سیاسی ڈھانچے اور نمایاں خاندان Meddili کی سرپرستی (جس خاندان کا ذکر بینکنگ کے ضمن میں کیا جا چکا ہے) شامل تھی۔ چودھویں، پندرھویں اور سولہویں صدی میں تجارت کے ایشیا اور یورپ میں پھیلنے کی وجہ سے اٹلی میں دولت کی ریل پیل ہوئی۔

احیاء میں ایک نمایاں سرگرمی یونانی اور لاطینی علوم کا دوبارہ مطالعہ اور دریافت ہے۔ اٹلی چھوٹی شہری ریاستوں میں منقسم تھا۔ بارہویں صدی میں اٹلی جاگیرداری سے تاجر معاشرے میں بدل گیا۔ اس دوران انصاف، جمہوریت، اچھا انتظام، شفافیت کے نظریات اٹلی میں ایجاد ہوئے۔

اٹلی کے شہر وینس میں اعلیٰ درجے کا شیشہ بنتا اور فلورنس ٹیکسٹائل کا مرکز تھا۔ اٹلی کی دولت سے دو فائدے ہوئے:

(1) عوامی اور نجی فنون کے بڑے منصوبے

(2) انسانوں کے پاس مطالعے کے لیے بہت وقت

احیاء کے ساتھ، جس کا مرکز اٹلی تھا، جرمنی میں اصلاح (reformation) کی تحریک شروع ہوئی جس سے نیا مذہبی فرقہ Protestant نمودار ہوا۔ اس فرقے کی بنیادی فکر، پرانے مذہبی مقتدرہ ''Catholic Church'' کی مذہبی وسعت اقتدار کو چیلنج کی بنیاد پر تھی۔ یعنی اس کے بانی مارٹن لوتھر کے نزدیک کلیسا کے ذمہ دار پوپ اور پادری کو یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ مذہب کی تعبیر جس میں ان کی اپنی منشا ہو، کو حتمی اور لازم قرار دیں۔ دوسرا یہ کہ معافی نامے (indulgences) جاری کر کے (جو قیمتاً دیے جاتے) خریدنے والوں کو تمام گناہوں سے معاف قرار دیں اور تیسرے یہ کہ مذہبی کتاب بائبل کو اپنے مطالعے اور ملکیت کے لیے مخصوص کریں بلکہ جو شخص بھی بائبل سے براہِ راست استفادہ کرنا چاہے اس کو اجازت ہونی چاہیے کہ وہ کرے اس مطالبے پر ایک طویل اور شدید تحریک چلی اور آخر کار Protestants کامیاب ہوئے اور مختلف ممالک، مثلاً پہلے انگلینڈ اور پھر دیگر ممالک کی پشت پناہی سے Protestants کا وجود تسلیم کیا جانے لگا۔ چرچ اور پوپ کا کردار عیسائی دنیا کی سیاست اور عوام پر کمزور ہو گیا اور مذہب عیسائیت کی بنیاد پر متحد یورپی علاقے بکھر کر خود مرتکز وطن پرست قومی ریاستوں میں بٹ گئے۔

عیسائیت کے اثرات ڈھیلے ہو جانے سے یورپی سیاست و معاشرت میں چند اہم تبدیلیاں آئیں:

(1) قومی ریاستیں مثلاً جرمنی (جرمن قوم)، فرانسیسی (فرنچ قوم) اور برطانیہ (برطانوی قوم) وجود میں آ گئیں جن کے اپنے ملکی مفادات، سابقہ مشترک مذہبی تعلقات سے زیادہ اہم ہو گئے، جس سے یہ منطقی نتیجہ نکلا اور عملاً ایسا ہوا بھی کہ چاہے مذہب ایک ہو، ملک مختلف ہونے کی وجہ سے وہ ملکی مفادات کی خاطر ایک دوسرے سے لڑ جاتے تو کوئی حرج نہیں تھا، لہٰذا وہ لڑے بھی۔

(2) عقل اور فکر پر ڈالے گئے غیر فطری جبری پہرے توڑ دیے گئے اور کائنات میں منطقی، سائنسی غور و فکر اور ایجادات کو فروغ ملا۔

نتیجتاً 1514ء میں کیے جانے والے لوتھر کے باغیانہ اقدام کے بعد شروع ہونے والے فلسفیانہ اور سائنسی غور و فکر کے رواج کے تقریباً تین سو سال بعد انیسویں صدی میں صنعتی

انقلاب کا آغاز ہوا۔

محققین و مؤرخین صنعتی انقلاب کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا صنعتی انقلاب ٹیکسٹائل، سٹیل اور لوہے کی ٹکنیک پر مبنی تھا۔

دوسرا صنعتی انقلاب سٹیل، ریل روڈ، برقی رو اور کیمیکلز پر مبنی تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایجادات کا ایک طوفان برپا ہو گیا جس میں انسان کی روزمرہ زندگی سے لے کر ملکی سطح تک کے اہم گوشوں سے متعلق انواع و اقسام کی مصنوعات تخلیق کی گئیں۔ اس سے نہ صرف انسان کے طرزِ زندگی پر اثر پڑا بلکہ معاشی طاقت کے مراکز یعنی زمیندار بھی قوت سے محروم ہو گئے۔

سب سے پہلے ٹیکسٹائل میں تبدیلی آئی۔ تبدیلی سے پہلے کپڑے کا دھاگہ گھر میں بنایا جاتا تھا اور اس سے کپڑا بُنا جاتا تھا جو سب کا سب ہاتھ سے بُنا ہوتا۔ اس وجہ سے اس صنعت کو کاٹیج انڈسٹری کہا جاتا۔ 1764ء میں spinning jenny ایجاد ہوئی۔ jenny لفظ انجن (engine) کی ابتدائی تلخیص ہے۔ اس آلے سے کاریگر بیک وقت بہت سے ریشے دھاگوں میں بنتا تھا۔ اس کی افادیت کی وجہ سے 1780ء کے قریب برطانیہ میں 20,000 کے قریب spinning jennyes استعمال میں آ چکی تھیں۔ اس کے بعد مشینی spinning شروع ہوئی جس میں بھاپ یا پانی سے spinning ہوتی۔ اس سے پیداوار ہزار گنا بڑھ گئی۔ اس کے بعد کپڑا بننے کی مشینی loom ایجاد ہو گئی جس سے کپڑا بننے کی صلاحیت چالیس گنا زیادہ ہوئی۔ 1770ء میں WOH نے ٹرین اور جہاز کو چلانے والا سٹیم انجن بنا لیا۔ 1830ء میں انگلینڈ میں لیورپول سے مانچسٹر پہلی عوامی ٹرین سروس شروع ہو گئی۔ 1850ء تک انگلینڈ میں 6000 میل روڈ ٹریک قائم ہو گئے۔ لوہے کی صنعت میں کوئلے کو چارکول کے متبادل کے طور پر استعمال کیا جانے لگا جس سے pig lear کی قیمت اور wrought iron کی پیداوار کی قیمت کم ہوتی۔ coke کے استعمال سے بڑی furnace استعمال کرنا آسان ہو گئی۔

صنعتی انقلاب نے مشینوں میں استعمال کے لیے metal parts کی طلب پیدا کی۔ اس وجہ سے بہت سے مشین ٹولز ایجاد ہوئے، کاٹنے والے میٹل پارٹس بنانے کے لیے۔

رسل و رسائل میں ٹیلی گراف نے صنعتی انقلاب کو آسان کر دیا۔ 1837ء میں دو برطانویوں نے برقی ٹیلی گراف ایجاد کر لی۔ 1866ء میں بحر اوقیانوس کے آر پار ٹیلی گراف

تار بچھا دی گئی۔

انڈسٹری میں خاص مقاصد کے لیے مشینری، فیکٹری اور mass production کی طرف تبدیلی ہوئی۔ لوہے اور کپڑے کی صنعت نے سٹیم انجن کی ایجاد کے ساتھ صنعتی انقلاب میں بڑے پیمانے پر کردار ادا کیا۔

برطانیہ میں صنعتی انقلاب شروع ہونے کی وجوہات مندرجہ ذیل تھیں:

(1) وہاں لوہے اور کوئلے کے ڈھیروں ذخائر تھے۔

(2) اس کے علاوہ برطانیہ نسبتاً مستحکم (stable) ملک تھا۔

(3) نوآبادیاتی طاقت ہونے کی وجہ سے اس کی نوآبادیات خام مال حاصل کرنے کا ذریعہ اور تیار مال کی منڈی بنتے تھے۔

(جاری ہے)

اختلاف میں رحمت ہے..... کیسے؟

قیامت میں ہر فرقہ سے عمل صالح والوں کا ایک فرقہ بنے گا جو نجات پائے گا، یعنی میدانِ حشر سے سیدھا جنت میں جائے گا۔ دلیل کیا ہے؟ قیامت میں مفتی کا کوئی فتویٰ غلط نکلے گا تو اس پر عمل کرنے والے پکڑے جائیں گے۔ پھر عام آدمی کیا کرے؟ اس طرح کے بے شمار سوالات کو سمجھنے کے لیے **"اسلام کا جائزہ"** نامی تین مختصر کتابچوں کے ساتھ مزید پانچ مختصر کتابچوں کا سیٹ 100 روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر منگوائیں۔ طلبہ و طالبات اور اساتذہ بلا معاوضہ طلب کریں۔ قرآن کو سمجھنے کے لیے قرآن کے اسباق اور بچوں کے لیے مترجم پارے کسی ہدیہ کے بغیر دستیاب ہیں۔ تمام کتب اور کیسٹ صرف ڈاک سے بھیجے جاتے ہیں۔ برائے کرم ذاتی طور پر تشریف نہ لائیں۔

البلاغ فاؤنڈیشن اسلامی خط و کتابت کورسز کا ادارہ

A-43، ٹاررروڈ، لاہور کینٹ فون: 0333-4620717, 0321-4090779

ویب سائٹ: www.aasanasbaq.com

May 2015
vol. 64

Regd. CPL No. 115
No.5

Monthly Meesaq Lahore